OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI(AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
http://www.aiou.edu.pk/sab/mi/index.asp
www.iri.aiou.edu.pk

اہل قرآن کے تاویلی فلسفۂ الٰہ کا تنقیدی مطالعہ

(Analytical study of Ahle-e-Quran's interpretation of Philosophy of Ilah)

*ظفر اقبال
ڈائریکٹر تعمیر انسانیت لائبریری سیال نگر جھنگ

ABSTRACT

The concepts of Illah ,man and the universe become the concept of reality and they give rise to the following type of questions:

(i) What is the nature of the universe ?Is it a creation? Then over existent of new born? Is it everlasting or mortal? Who is its creator?

(ii) What is the nature of man? Is he ever existent or new born? Is the everlasting or mortal?

(iii) Who is the creator of man and the universe? Thinkers have diverse opinions regarding the answers of these question. For example there is general consensus on the universe being new born, but there difference of opinion as to the 'first cause' that brought it into existence-Greak philosophers call it.

'The First Reason' (Aqle Aw'wal) the Jew philosopher philo calls it logos' Christian though considers it kalimat ullah, Ibni Arabi terms it as haqeeqat-Muhammadiah and Sir sayyid Ahmad Khan cause of cause/s(Illat al-ilal) Pervaz Divine Energy-Among Muslims, Sir sayyid Ahmad Khan (1817-1898) was the first who interpreted the concept of the Ever-Existent versus New born and present his viewpoint in the form of the philosophy of Unification of Existence-cause of cause/s(Illat al-ilal).Illat

Mojbha.Illat Tammha- In the sub-continent of British era Sir sayyid 'Pervaz (1903-1985)and other Ahlil Quran his concept represents the same 'llah-But'Every thing is Allah's -Not everything is Allah-(Pantheism)Allah Almighty is the create of all creatures.In this article the Analytical of study Interpretation of Ahli Quran on the Philosophy of IIlah.

Keywords: Sir Sayyid Ahmad Khan- Pervaz -Illah, Man, Universe.

فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں قرآنی تعلیمات کی ضرورت واہمیت مسلّمہ ہے۔ ہر عہد کے مسلمان اہل فکر و دانش نے قرآن کریم پر تفکر وتدبر جاری رکھا اور اپنے اپنے زمانے اور عہد کے مسائل کا استنباط اس کتاب ہدایت سے حاصل کرتے رہے۔ قرآن میں محکمات، متشابہات کی اصطلاحات بھی ہیں تاہم ائمہ سلف سے خلف تک ایک ہی منہج رہا ہے کہ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر کا تکمیلی ماخذ خود قرآن ہے اور تعمیلی پہلو اسوہ رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کیونکہ وہ اس کتاب کے اوّلین مخاطب تھے اور قرآن ان کے سامنے عملی طور پر موجود تھا تاہم اہل قرآن اس اسلوب تشریح و تعبیر قرآنی سے انکار کرتے ہیں وہ صرف تعقیلی، تعلیلی، تمثیلی اور نیچری تاویلات اور عقلی رجحانات پر مشتمل کتب کو امت مسلمہ کے اسلوب تفسیر و تشریح پر ترجیح دیتے ہیں۔

تاویلی فلسفہ الٰہیات کا آغاز فلاسفہ یونان سے شروع ہوا جس کے اوّلین نمائندے طالیس ملطی، افلاطون اور ارسطو تھے پھر فیلو اور سینٹ پال کے بعد اسلامی تاریخ میں پہلی صدی ہجری کے نمائندے خوارج اور معتزلہ تھے تیسری صدی میں منصور حلاج اور ساتویں صدی میں ابن عربی تھے۔ لھذا تاریخ عالم میں اہل قرآن کی ان تاویلات کا تصور یونانیت، یہودیت، مسیحیت سے ہوتا ہوا امت محمدیہ میں خارجیت

ومعتزلیت کے افکار میں موجزن ہوا پھر ان تاویلات کو تصوف کی صورت گری ملی اور بعد ازاں بر صغیر کے برطانوی عہد میں سر سید احمد خان نواب محسن الملک، چراغ علی، سید امیر علی، خواجہ احمد الدین امر تسری، عبد اللہ چکڑالوی، حافظ اسلم جیراجپوری، نیاز فتح پوری، عنایت اللہ مشرقی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، غلام احمد پرویز، ڈاکٹر سید عبدالودود، قاسم نوری، رحمت اللہ طارق اور ان کی ماڈرن ذریت متاثر ہوئے۔
اہل قرآن نے مسئلہ صفات کے بارے میں لغوی، عینیتی اور تعلیلی اسلوب کو اپنایا ہے۔ لغوی اسلوب میں جامع صفت الٰہ بمعنی قانون ۔صفت قدرت بمعنی قانون ۔مشیت بمعنی قانون۔علت و معلول کی قدیم عینی نوعیت کی طرح صفت علم کو قدیم معلوم کے تحت پیش کیا گیاہے۔جس سے الٰہ کی تحدید لازم آتی ہے۔ علۃ العلل اللہ کی صفت ہے، وجود مطلق اور نفس کلیہ ہے۔ ربط بین الخالق والمخلوق کی عینی نوعیت فلسفہ عالم امثال، اعیان ثابتہ، وجود مطلق، نفس کلیہ، علت موجب بالذات اور علت العلل ہے عالم قدیم اللہ تعالیٰ تخلیق وتدبیر عالمین میں فاعل مختار نہیں۔ اللہ تعالیٰ قول الٰہی (Word of God) اور فعل الٰہی (Work of God) کے متخالف کچھ نہیں کر سکتا۔اسی طرح علت و معلولات، علم و معلومات، قدرت و مقدورات وغیرہ کے متخالف کچھ نہیں کر سکتا۔ عقل اوّل، لوگوس، کلمتہ اللہ، روح اللہ، کلام نفسی عینی۔ان کا اصل ماخذ فلاسفہ یونان، مسیحی علم کلام، معتزلہ، ابن عربی اور مستشرقین کے افکار ہیں۔یہ ایسے افکار ہیں جس سے اللہ تعالیٰ فاعل بالاجبار ثابت ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں اللہ تعالیٰ کو فاعل مختار ثابت کرنے کی اشد ضرورت ہے۔اور یہی عصر حاضر کا عظیم قلمی جہاد ہے۔اس مقالہ میں اہل قرآن کے ان افکار کا تحقیقی مطالعہ پیش کرنا ہے کہ وہ کس حد تک حقائق کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔

اہل قرآن کا فلسفہ الٰہ کے بارے میں اسلوب

غلام احمد پرویز اسم کو صفات قرار دیتے ہوئے لغوی اسلوب کا فلسفہ اس طرح بیان کرتے ہیں:
"لفظ "اسم کا ترجمہ عام طور پر" نام "کیا جاتا ہے یہ بھی ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ اس کی صفات کے معنوں میں آتا ہے حقیقت یہ ہے کہ لفظ اسم (مادہ س۔م۔و) کے بنیادی معنی کسی ایسی علامت کے ہیں جس سے متعلقہ شے پہچانی جائے چونکہ اللہ تعالیٰ کا تعارف اس کی صفات کی رو سے ہوتا ہے اس لیے صفات خداوندی کو اسماء الٰہی کہا جاتا ہے مثلاً سورۃ الحشر میں مختلف صفات خداوندی بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے (لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى) (نور ۵۹: ۲۴) "اللہ کی تمام صفات حسین ترین اور کامل توازن لئے ہوئے ہیں" اس لیے ہمارے نزدیک (بِسْمِ اللّٰهِ) میں اسم سے مراد "صفت خداوندی "ہے اس کے بعد (بِسْمِ اللّٰهِ) میں لفظ اللہ آتا ہے جو یوں کہیئے کہ اللہ کا ذاتی نام ہے اور "رحمٰن" اور "رحیم" اس کی صفات ہیں[1]
اس عبارت میں پرویز صاحب لکھ رہے ہیں کہ یہ لفظ اسم اس کی صفات کے معنوں میں آتا ہے یہی جدید دہریت ہے پرویز کی یہی جدید فکری پرواز ہے اس فلسفہ کے تحت پرویز انسان کو صفات الٰہی کا مظہر قرار دیتا ہے جس سے انسان پر الوہیت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے۔
غلام احمد پرویز اسم کی آسان تصریح دروس قرآن میں اس طرح بیان کرتے ہیں:
"حرف "ب کے ساتھ جو پہلا لفظ آیا ہے وہ اسم ہے اسم کا ترجمہ عام طور پر نام کیا جاتا ہے یہ بھی ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک ذاتی نام ہے جسے اللہ کہتے ہیں یعنی ذات خداوندی کا نام باقی تمام اللہ کی صفات ہیں صفت کے لیے عربی زبان میں لفظ اسم آتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب یہ اسم کا مادہ" س م و" ہے تو اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں " کوئی ایسی علامت جس سے متعلقہ شے پہچانی جائے" اللہ کی ذات کی حقیقت تو انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتی یہ راز خیال و قیاس و گمان و وہم ہے اس لیے اللہ کے متعلق تو ہم کچھ نہیں جان سکتے لیکن اس نے اپنی جو صفات بیان کی ہیں ان صفات کا ایک تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے یہ صفات خداوندی اسماء الحسنٰی کہلاتی ہیں سورہ الحشر میں مختلف صفات خداوندی بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ (لَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى)

(حشر ۵۹:۲۴) خدا کی تمام صفات نہایت حسن و خوبی سے کامل توازن لیے ہوئے ہیں لہٰذا میرے نزدیک (بِسْمِ اللّٰہِ) میں اسم سے مراد صفت خداوندی ہے اسمائے خداوندی"[۲] پرویز صاحب کی ان عبارات میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسم کسی شے کی صرف علامت کا نام ہے جس سے اللہ کے ذاتی اسم کا انکار ثابت ہوتا ہے اور رحمٰن کو اسم عَلَم کی بجائے صفت قرار دیتا ہے۔ دوسرا پرویز کے نزدیک اسم سے مراد صفات الٰہی یا اسماء الٰہی یہی پرویز کی وحدۃ الوجودی پرواز ہے۔ پرویز نے اسے "من ویزداں اور تصوف کی حقیقت" میں درج کیا ہے کہ اس صفاتی قانون کے تحت انسان صفات الٰہی کا مظہر ہے اسی طرح وہ قوانین کو بھی صفات الٰہی کا مظہر قرار دیتے ہیں۔ اصول ہے صفت اپنے موصوف سے الگ نہیں ہو سکتی ہے جس سے انسان پر الوہیت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے

پرویز اسم بمعنی علامت و بلندی دعویٰ کی دلیل کے لئے کائناتی قوانین کا کیسے اثبات کر رہے ہیں؟

"قرآن کریم میں ارض و سماء بے شمار مقامات میں آتا ہے اس میں شبہ نہیں کہ ہماری اس زمین کو بھی جس پر ہم رہتے ہیں ارض کہتے ہیں لیکن چونکہ ہر بلندی کو (پستی کی نسبت سے) سماء اور ہر پستی کو (اس کی بلندی کی نسبت سے) ارض کہتے ہیں اس لیے ارض و سما کے معنی کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہوں گے اور جب ارض کو سماء کے مقابل میں لایا جائے گا تو سماء سے مفہوم کائناتی زندگی اور اس کا نظام بھی ہوگا اور ارض سے مراد انسان کی معاشرتی، معاشی اور تمدنی زندگی نیز سماء سمٰوٰت سے مراد محض اجرام فلکی ہی نہیں ہوں گے بلکہ فضا کی بلندیوں میں پھیلی ہوئی تمام توانائیاں مثلاً ایتھر اور ایٹم وغیرہ بھی ہوں گے یعنی فضا مع اپنے مشمولات کے قرآن میں جہاں جہاں ارض و سماء کے الفاظ آئے ہیں سیاق و سباق پر غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ اس جگہ سماء میں بلندی کا پہلو ہے اور ارض میں پستی کا خواہ وہ محسوس اشیاء میں ہو خواہ منصب اور مرتبہ کے لحاظ سے اور خواہ کائناتی قوانین کے مقابلے میں انسان کی معاشرتی زندگی ہو جسے اس نے اپنے مفاد پرستیوں کے سانچے میں ڈھال رکھا ہے" [۳]

پھر اسم بمعنی کائنات کی بلندی دعویٰ کا مفہوم اس طرح بیان کر رہے ہیں:

" ارض و سما کے معنی کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہوں گے اور جب ارض کو سماء کے مقابل میں لایا جائے گا تو سماء سے مفہوم کائناتی زندگی اور اس کا نظام بھی ہوگا اور ارض سے مراد انسان کی معاشرتی، معاشی اور تمدنی زندگی نیز سماء سمٰوٰت سے مراد محض اجرام فلکی ہی نہیں ہوں گے بلکہ فضا کی بلندیوں میں پھیلی ہوئی تمام توانائیاں مثلاً ایتھر اور ایٹم وغیرہ بھی ہوں گے" [۴] اس عبارت میں پرویز کے نزدیک "سما کے معنی کائنات کی بلندیاں" اور پھر لکھتے ہیں: " سماء سے مفہوم کائناتی زندگی" جس سے آسمان کے وجود اور اس کی موجودگی کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ پرویز کا یہ تمثیلی مفہوم قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ جب پرویز کے نزدیک تسمیہ میں اسم کی حقیقت صحیح نہیں ہے تو مسمّیٰ الٰہ کی حقیقت کیسے نمایاں ہو گی۔

پرویز پھر دوسرے مقام پر اپنے دعوے کی تغلیط ثابت کر رہے ہیں۔

"اسم کے معنی ہیں کسی شے کی علامت جس سے اسے پہچانا جائے پھر نام کو بھی اِسْمٌ کہتے ہیں اس کی جمع اَسْمَاءٌ ہے اس کا مادہ بھی س۔م۔و ہے اس جہت سے اسم سے مسمّیٰ پہچانا جاتا ہے اور اسی سے اسے بلندی و عزت حاصل ہوتی ہے سَمِیٌّ کے معنی ہم نام اور نظیر و ہم پلہ کے آتے ہیں مساماۃ کے معنی باہمی مفاخرت کے آتے ہیں (تاج) سَمِیٌّ تَسْمِیَۃً نام رکھنا، اَلْمُسَمّٰی کے معنی نام رکھا ہوا نامزد کیا ہوا نیز معین، مقرر اور معلوم (محیط) [۵] لھذا ثابت ہوا کہ اسم وہ ہے جو اپنے مسمّیٰ کی حقیقت کو نمایاں کرتا ہو۔

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

"اللہ عبارت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے" [۶]

یہ عقیدہ صریح شرک ہے کیونکہ اللہ چند صفات عالیہ سے موسوم نہیں بلکہ وہ ایک ایسی احد ہستی کا اسم ہے جو صفات عالیہ اور تمام خوبیوں کے ساتھ متصف ہے جس کی حمد و توصیف سے پورا قرآن پُر ہے وہ تمام مخلوقات کو تخلیق، روزی، مارنے، جلانے اور مشابہت خلق سے منزہ ہستی کا اسم ہے محض چند صفات عالیہ کا اسم نہیں ہے اور اگر اللہ محض چند صفات عالیہ ہی کا اسم ہو اور وہ حقیقت کے طور پر کسی ہستی کا اسم نہ ہو تو پھر وہ انسان اور زمین و آسمان و ما فیہا کا خالق، رازق، محیے ممیت نہیں بن سکتا کیونکہ پرویز کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی پیدا کردہ صفات عالیہ کا اسم اللہ ہے اس کے علاوہ اللہ کسی شان حقیقت کا اسم نہیں ہے قرآن میں جس اللہ کو خالق، مالک رزاق مُحی اور ممیت وغیرہ کہا گیا ہے تو وہ بھی گویا انسانی صفات ہی کا اسم ہے سو اس طرح قرآن اور شان الٰہی کا انکار لازم آتا ہے جو صریح کفر ہے۔

اہل قرآن کا اللہ کے بارے میں لغوی اسلوب

پرویز اللہ کا اشتقاقی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بسم اللہ میں دوسرا لفظ"اللہ" آتا ہے۔۔۔ اللہ تو خدا کا ذاتی نام ہے۔ بسم اللہ کے معنی ہوئے" اللہ کی اس صفت یا ان صفات کے مقصد کے لیے یہ کام شروع کیا جاتا ہے یا یہ کچھ کیا جاتا ہے" [(7)] پرویز اس عبارت میں اللہ کے اسم کی استعانت طلب کرنے کی بجائے لکھتے ہیں صفت یا صفات کے مقصد کے لئے یہ کام شروع کیا جاتا ہے۔ با استعانت کی بجائے باتعلیلیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

"الٰہ کا جو ترجمہ ہمارے ہاں انگریزی میں God ہے ہندوؤں کے ہاں ایشور پر ماتما ہے مجوسیوں کے ہاں یزداں ہے ہمارے ہاں فارسی کا لفظ خدا ہے جو اردو میں عام مستعمل ہے (لیکن یہ لفظ اللہ کے اسم کا متبادل نہیں ہے اور نہ ہی اللہ کے اسم کا مفہوم ادا کر سکتا ہے لہٰذا یہ الفاظ الٰہ کے مفہوم کی ترجمانی نہیں کر سکتے جبکہ الٰہ اپنی ذات میں محکم ہے) جب یہ لفظ اسی طرح رہے گا تو اس کا مفہوم آپ سمجھ سکتے ہیں بیان بھی کر سکتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ کسی ایک لفظ میں نہیں کیا جا سکتا ہے جو نہی آپ نے کسی زبان میں ترجمہ کیا وہ اس زبان والوں کا جو خدا ہے اس کا تصور آپ کو دے گا قرآن کے الٰہ کا تصور نہیں دے سکتا۔ میں پھر دہرا دوں کہ قرآن کا جو الٰہ ہے اس کے معنی" صاحب اقتدار" ہیں اور جب ہم کہتے ہیں کہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) (محمد 19:47) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ کے سوا پوری کائنات میں کوئی صاحب اقتدار نہیں ہے" ۔۔۔ یہ ہے اللہ کے لفظ کا مفہوم" [(8)]

"عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب کسی لفظ سے پہلے الف لام (ال) لگا دیا جائے تو اس کے معنی ایک تو یہ ہوتے ہیں کہ ہر قسم کی وہ صفت اسی میں پائی جاتی ہے دوسرا یہ ہوتا ہے کہ وہ صفت بلند ترین درجے کی غایت درجے کی انتہا درجے کی اس کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس کے سوا اس انداز کی صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی اس لیے جب ہم اللہ کہتے ہیں تو یہ ال الٰہ۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ الٰہ کوئی اور نہیں ہو سکتا الٰہ صرف اللہ ہو سکتا ہے اور جب ہم کہتے ہے کہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) (محمد 19:47)" تو آپ دیکھئے کہ وہی بات ہو گئی کہ کوئی الٰہ نہیں ہو سکتا سوائے اللہ کے۔ تو آپ دیکھئے کہ الٰہ کے بنیادی معنی کیا ہیں؟ الٰہ کا مادہ ہے ال ہ۔ اور اس میں بنیادی طور پر متعدد معانی پائے جاتے ہیں:۔ ان میں پہلا یہ ہے کہ گھبرا کر کسی کی پناہ ڈھونڈنا یا اسے پناہ دینا دوسرے یہ کہ متحیر ہونا تیسرے یہ کہ بلند مرتبہ اور نگاہوں سے پوشیدہ ہونا اور چوتھے جو بنیادی شے ہے یہ کہ کسی کی غلامی یا محکومیت اختیار کرنا یعنی کسی کا غلبہ اور اقتدار تسلیم اور قبول کرنا۔ الٰہ کے معنی ہوتے ہیں صاحب اقتدار صاحب اختیار اور اس کے معنی ہوتے ہیں" وہ جس کی محکومیت اختیار کی جائے" لہٰذا الٰہ کے معنی یہ ہو گئے وہ جس کی محکومیت اختیار کی جائے اللہ کے معنی ہو گئے کہ صرف اس کی محکومیت اختیار کی جائے گی کسی اور کی محکومیت نہیں۔ اب یہاں پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ خدا تو کسی کے سامنے نہیں آتا ہم

اس کی آواز بھی نہیں سن سکتے تو اس کی محکومیت کس طرح اختیار کی جائے گی؟ یہ شے ہے جو اصل دین ہے اس نے کہا ہے کہ محکومیت کسی شخص کی اختیار نہیں کی جائے گی۔ محکومیت قوانین کی اختیار کیا جائے گی، احکام کی اختیار کی جائے گی۔ خدا کے الٰہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسانوں کے لیے احکام و قوانین دینا صرف خدا کے لیے ہے۔ دنیا میں کوئی انسان کسی دوسرے کو اپنے حکم یا اپنے قانون کا محکوم نہیں بنا سکتا۔۔۔اس کے جو آداب و قوانین ہیں جسے ہم کہیں گے کہ وہ الوہیت کے مظہر ہیں جو وہ قوانین ہیں جو وہ احکام ہیں جو وہ اقدار ہیں وہ تمام قرآن کے اندر محفوظ ہیں اور یہی شے ایمان اور کفر میں خط امتیاز ہے چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ (وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ) (مائدۃ۵: ۴۴) جو شخص بھی خدا کے نازل کردہ قوانین و احکام و اقدار کی اطاعت نہیں کرتا ان کی محکومیت اختیار نہیں کرتا ان کے مطابق فیصلے نہیں لیتا تو یاد رکھیئے! انہی کو کافر کہا جاتا ہے لہٰذا مومن یا ایمان لانے والا وہ ہے جو صرف خدا کو الٰہ مانے یعنی صاحب اقتدار مانے صرف اس کے عطا کردہ نازل کردہ قوانین واحکام کی محکومیت اختیار کرے اس کے سوا اگر کسی اور کی بھی محکومیت اختیار کی کسی اور کو صاحب اقتدار مان لیا تو وہ حقیقت میں اسے الٰہ مان لینا ہوگا''[9] اس عبارت کی آسان تصریح یہ ہے:

پرویز لکھ رہے ہیں کہ "جب ہم اللہ کہتے ہیں تو یہ ال الٰہ " سے مشتق ہے۔ ائمہ محققین فرماتے ہیں کہ اللہ کا اسم کسی شے سے مشتق نہیں ہے اس پر قرآن کی نص وارد ہے (لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ) (اخلاص ۱۱۲: ۳) لھذا یہ لغوی اشتقاقات درست نہیں ہیں پھر اسی عبارت میں اس کے اصح معنی یہ لکھتے ہیں :۔" الٰہ کوئی اور نہیں ہو سکتا الٰہ صرف اللہ ہو سکتا ہے" لیکن لغوی معنی میں اپنے مقصد کیلئے پھر وہ اصل مطلب کی بات لکھ رہے ہیں:۔ الٰہ کے معنی ہوتے ہیں صاحب اقتدار صاحب اختیار اور اس کے معنی ہوتے ہیں" وہ جس کی محکومیت اختیار کی جائے" اس بات کی وہ آگے یہ تشریح کرتے ہیں کہ" محکومیت کسی شخص کی اختیار نہیں کی جائے گی۔ محکومیت قوانین کی اختیار کی جائے گی" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ قوانین کیا ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے "وہ الوہیت کے مظہر ہیں" پھر من ویز داں میں لکھتے ہیں :۔ قوانین صفات خداوندی کے مظاہر ہوتے ہیں" حالانکہ یہی حلولی وجودی شرکیہ تصور ہے۔ پرویز تصوف کی حقیقت میں لکھتے ہیں۔ انسان بھی صفات الٰہی کا مظہر اور عکس ہے۔ اصول ہے کہ صفت اپنے موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی جس سے قوانین اور انسان پر الوہیت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے یہی جدید مسیحیت ہے۔ پرویز صاحب اسی اصول پر کافر اور مومن کی تفریق یوں کرتے ہیں:

"جو شخص بھی خدا کے نازل کردہ قوانین و احکام و اقدار کی اطاعت نہیں کرتا ان کی محکومیت اختیار نہیں کرتا ان کے مطابق فیصلے نہیں لیتا تو یاد رکھیئے! انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔۔۔" لہٰذا مومن یا ایمان لانے والا وہ ہے جو صرف خدا کو الٰہ مانے یعنی صاحب اقتدار مانے صرف اس کے عطا کردہ نازل کردہ قوانین واحکام کی محکومیت اختیار کرے اس کے سوا اگر کسی اور کی بھی محکومیت اختیار کی کسی اور کو صاحب اقتدار مان لیا تو وہ حقیقت میں اسے الٰہ مان لیا" [10] پرویز صاحب کا اللہ اور الٰہ کے بارے یہ لغوی معنی و مفہوم کے تحت کافر و مومن کی تفریق قرآن کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس سے کسی ایک ہی صفاتی پہلو کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ کلی اور جامع طور پر اس سے پرویز صاحب کی اصل مجبوری ظاہر ہوتی ہے کہ وہ لغوی اسلوب کے خلاف کوئی معنی کر ہی نہیں سکتا حالانکہ الٰہ ایک جامع الصفات اسم ہے اس لئے اسے کلمہ میں تمام صفات کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے۔

امام رازی لکھتے ہیں :

قال الخليل: و كذلك قولنا الا له مخصوص به سبحانه وتعالىٰ(11)"امام خلیل فرماتے ہیں اسی طرح ہمارے قول کے مطابق لفظ الٰہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے جس کی شان ہر طرح کی شراکت سے منزہ اور اعلیٰ وارفع ہے"

امام خلیل کے اس قول سے پرویز کے تصور الٰہ کی لغوی واشتقاقی مفہوم کی تغلیط ثابت ہوتی ہے۔

پرویز کی طرح ادارہ بلاغ القرآن کے "اہل قرآن "الٰہ کا معنی حاکم کرتے ہیں:

"الٰہ کا معنی ہے صاحب حکم۔ عام تراجم میں لفظ الٰہ کا ترجمہ معبود کر دیا گیا ہے جو خود عربی کا لفظ ہے اس طرح عربی کا ترجمہ عربی میں کر دینے سے اس لفظ کا صحیح مفہوم نکھر کر سامنے نہیں آتا بلکہ اس امر کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ لفظ معبود کا معنی واضح کیا جائے لفظ معبود عبد، یعبد عبادۃ سے اسم مفعول ہے بمعنی عبادت کیا گیا ہے لفظ عبادت کا سہ حرفی مادہ ع ب د : عبد ہے، عبد کہتے ہیں بندے کو پس معبود کا معنی ہوا وہ ذات جس کا بندہ بنا جائے جس کا حکم مانا جائے یعنی حاکم ـــ پس ثابت ہوا کہ الٰہ معبود اور حاکم تینوں الفاظ کا ایک ہی معنی ہے صاحب حکم اسی شے کی تائید آیات ذیل میں موجود ہے(اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ) (انعام6:57) (یوسف۶۷،۴۰)کاایک ہی مفہوم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی صاحب حاکم نہیں کوئی فرمانبرداری کے لائق نہیں "(12)

ائمہ مفسرین کے نزدیک جب اللہ کا لغوی وجودی معنی معبود نہیں بن سکتا تو پرویز کے لغوی معنی "صاحب اقتدار" اور بلاغ القرآن کے "صاحب حاکم" وغیرہ کیسے صحیح ہو سکتے ہیں؟

ادارہ بلاغ القرآن کے نزدیک اللہ کا معنی قانون

"قرآن کریم میں بعض مقامات پر لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے۔۔۔ (كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰه) (نساء4:78) میں لفظ اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے۔۔۔۔ قرآنی لغت میں لفظ اللہ سے اللہ کا قانون بھی مراد ہے اس لیے سیاق و سباق اور ربط کلام کے مطابق بعض مقامات پر اللہ سے مراد اللہ کا قانون ہے" (13) فلهذا (نساء4:78)کے الفاظ هذه من عندالله میں لفظ اللہ سے مراد قانون ہے اور کل من عنداللہ میں لفظ اللہ سے مراداللہ کا قانون ہے۔۔۔ترجمہ اور تفسیر زیر نظر میں ان آیات کے فیصلے کے مطابق کہ قرآنی لغت میں لفظ اللہ سے اللہ کا قانون مراد ہے۔اس لئے سیاق و سباق اور ربط کلام کے مطابق بعض مقامات پر اللہ سے مراد اللہ کا قانون لیا گیا ہے"(14)یہ معنی صحیح نہیں ہے۔

پرویز کے نزدیک اللہ کا معنی قانون

پرویز اللہ کے اسم کو مختلف چھ لغوی مفاہیم میں استعمال کرتا ہے اللہ سے مراد اللہ کا قانون یا قانون خداوندی، صفات خداوندی، اللہ کا نظام، قرآنی معاشرہ اگر اللہ کے ساتھ رسول کو ملا دیا جائے تو اس سے مرکز ملت مراد ہوتا ہے ان اصطلاحات میں قدرے مشترک بات یہ ہے اللہ تعالیٰ قوانین کا پابند ہے یہ ایسی الحادی فکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ فاعل مختار ثابت نہیں ہوتا۔

* اللہ کے اسم کا معنی صفات خداوندی(وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى) (اعراف7:180) "صفات خداوندی میں حسن کارانہ توازن ہے"(15)

اس آیت میں پرویز نے لفظ اللہ کا معنی صفات الٰہی مراد لیا ہے۔یہی وجودی الحادی تعبیر ہے حالانکہ اللہ ایک جامع شان والااسم ہے۔ترجمہ بھی سراسر تحریف پر مبنی ہے۔اصل میں پرویز اللہ کو متصرف اسم ذات تسلیم نہیں کرتا۔یہی اس کی فکری تاویلی منہج ہے

*۔اللہ کے اسم کا معنی قانون خداوندی (رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ) (بینہ 8:98)"انہوں نے قانون خداوندی سے موافقت پیدا کر لی اور وہ قانون ان کا رفیق و یاور بن گیا"(16) اس آیت میں پرویز نے لفظ"اللہ" کا ترجمہ قانون خداوندی کیا ہے۔حالانکہ اصل ترجمہ یہ ہے" اللہ صحابہ کرام سے راضی ہوااور وہ اللہ سے راضی ہوئے"*اللہ کے اسم کا معنی قانون (يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ) (انفال 64:8)"تمہارے لیے اس ٹکراؤمیں جو مفاد پرست جماعتوں سے ہونے والا ہے اللہ کا قانون اور اس جماعت کی رفاقت کافی ہے"(17)

اس آیت میں لفظ اللہ کے مفہوم تصرف کی بجائے قانون لیا ہے اور دوسری یہ تحریف کی ہے کہ نبی ﷺ کے لئے اللہ کا قانون اور صحابہ کی جماعت کی رفاقت کافی ہے۔حالانکہ اس آیت کا مفہوم یہ تھا کہ :

"اے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ تمھارے لئے اور مومنین میں سے جنھوں نے آپ کی تابعداری کی ہے ان کے لئے کافی ہے"

*اللہ کے اسم کا معنی نظام (وَ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ) (بقرہ 169:2)"کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نہ سمجھی سے اس نظام کو خدا کا نظام سمجھنے لگ جاؤ"(18) حالانکہ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے"بے شک شیطان تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا بھی کہ تم اللہ کی طرف وہ باتیں منسوب کرو جن کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں" (اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ) (ذاریات 58:51) " اللہ کا نظام رزق دینے والا اور بڑی قوتوں کا مالک ہے" (19)اس آیت میں بھی"اللہ" کے اسم کا ترجمہ" اللہ کا نظام " کیا گیا ہے ۔اللہ کا معنی نظام ربوبیت (وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ) (انفال 26:8) "نظام ربوبیت تمہیں پوری پوری حفاظت کا یقین دلاتا ہے اور رزق کی فراوانیوں کی ضمانت دیتا ہے"(20) (وَمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ) (رعد ۱۷: ۱۳) کی تشریح کی گئی ہے اس کے آخری جملے یہ ہیں۔

" یہ ہے وہ اصول کلی جس کے تحت یہاں کا کاروبار چلتا ہے باقی وہ رہ سکتا ہے جو انفرادی مفاد خویش کی بجائے کلی مفاد انسانیت کا حامل ہو یہاں ہر شے تغیر پذیر ہے بجز اس قانون ربوبیت کے جو زندگی کی فراوانیوں اور خوش حالیوں کا ضامن ہے"(21)

*(اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ) (فاتحہ ۱:۱)"زمین کا ہر حسین نقشہ اور کائنات کا ہر تعمیری گوشہ خالق کائنات کے ہر عظیم القدر نظام ربوبیت کی ایسی زندہ شہادت ہے جو چشم بصیرت سے بے ساختہ داد تحسین لیتی ہے"(22)

*۔(اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ) (فاتحہ ۱:۱)" جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وہی معاشرہ مستحق تعریف و ستائش ہو گا جو " رب العالمین" (تمام نوع انسانی کی ربوبیت) کے محکم اصول پر قائم کیا جائے گا"(23)

*۔اس آیت کا یہ ترجمہ اور مفہوم سراسر تاویلی تحریف پر مبنی ہے (كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ۔ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ۔۔) (رحمٰن 26-27) تو اس آیت میں بھی پرویز نے وَجۡهُ رَبِّكَ ذات الٰہی سے" قانون ربوبیت" مراد لیا ہے۔(24)

*۔ (لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا) (انبیاء 22:21)"کیا ان لوگوں نے اپنی معاشی زندگی (ارض) کے لیے الگ الگ قوانین تجویز کر رکھے ہیں جن کی یہ اطاعت کرتے ہیں اور ان کے سہارے اپنے معاشی پروگرام کو عام کرنا چاہتے ہیں اگر ان کی یہی روش ہے زندگی ہے تو انہیں سن رکھنا چاہیے کہ اگر انسان کی معاشی زندگی میں کوئی اور قوانین نافذ ہوں اور کائناتی زندگی میں اور تو اس کا نتیجہ فساد کے سوا کچھ نہ ہو گا"(25) اس آیت کے مفہوم میں بھی پرویز نے لفظ اللہ سے معاشی زندگی کا قانون مراد لیا ہے۔پرویز کا یہ مفہوم سراسر تحریف پر مبنی ہے یہ دلیل ایک برہان تمانع ہے۔جس سے وجودی تعبیر کی تغلیط ثابت ہوتی ہے۔

*۔(عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ) (جمعہ 8:68)" لیکن قانون خداوندی ان محسوس نتائج کے علاوہ ان نتائج کا حامل بھی ہوتا ہے جو تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں اور جو تمہاری مستقبل کی زندگی کو سنوارتے ہیں" عزیز" (پھر اس کا بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اس کا قانون ربوبیت.بڑی قوتوں کا مالک ہے "حکیم" اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ دنیا کی کوئی قوت اس پر غالب آجائے اور اسے نتائج مرتب کرنے سے روک دے نہ ہی وہ خود اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے"[26] پرویز کا یہ قانونی مفہوم سراسر الحادیت پر مبنی ہے۔

محمد قاسم نوری کے نزدیک الٰہ کا معنی قانون اور حاکمیت

"اللہ کے سوا نہ کسی کا حکم مانا جائے گا نہ کسی کے آگے جھکا جائے گا نہ کسی کی عبادت کی جائے گی اور نہ کسی کی اطاعت تسلیم کی جائے گی خواہ ماں باپ ہوں استاد ہو شوہر ہو، پیر امام یا کوئی بزرگ ہو یا نبی ہی کیوں نہ ہو حکم اور اطاعت صرف اور صرف رب کی ہوگی"[27]

"کلمہ تو اس ایمان کا عہد ہوتا ہے کہ آج کے بعد ہم سوائے اللہ کے کسی کی اطاعت اور حاکمیت قبول نہیں کریں گے"[28]

"مومن کے لیے بسم اللہ کی حیثیت ایک حلف (Oath) کی ہوتی ہے کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے ایک مومن جب بسم اللہ پڑھتا ہے تو گویا وہ حلف اٹھاتا ہے کہ جو کام وہ شروع کرنے لگا ہے وہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ہوگا" شروع اللہ کے نام سے کا مطلب بھی یہی ہے کہ کام شروع کرتے وقت مجھے اللہ اور اللہ کا قانون یاد ہے اور میں اس کے مطابق ہی اپنے کام کروں گا"[29] قارئین نے اہل قرآن کے نزدیک لفظ اللہ کے معنی قانون میں یگانگت و مطابقت کا اچھی طرح مشاہدہ کرلیا ہے تو اس معنی کی تغلیط وتردید کی اردو میں ایک مثال پیش ہے ۔

اللہ کے معنی "قانون" کی تغلیط وتردید

ڈاکٹر مفکر احمد لکھتے ہیں :۔ "اللہ" کس قدر معروف و مشہور نام ہے اس میں ذرہ برابر ابہام اور پیچیدگی نہیں ذو معنویت نہیں کسی قسم کا تشابہ اور استعارہ نہیں۔ مگر پرویز صاحب نے اس مقدس نام (اللہ) کی کیسی عجیب کھلی معنوی تحریف کی ہے۔ بے شک یہ حق ہے کہ اللہ کی اطاعت کے معنی اس کے قانون اور احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا قانون اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح نہ الٰہ ہے نہ رب ہے اور نہ معبود ! قرآن کریم نور ہدایت ہے ضابطہ حیات ہے سراپا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دستور زندگی ہے اس کے ایک لفظ کا بھی انکار کفر ہے مگر قرآن کریم کو ان تمام خصوصیات کے باوجود نہ تو "الٰہ" کہہ سکتے ہیں اور نہ " رب " اللہ تعالیٰ اور اس کا حکم و قانون (چاہے وہ قانون ربوبیت ہی کیوں نہ ہو) ذات وصفات کے اعتبار سے "ایک" نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے قانون ربوبیت کو ایک سمجھنا کتنی بڑی گمراہی اور غلط اندیشی ہے کائنات کا خالق ارض وسمٰوٰت کا پیدا کرنے والا، رزاق، حی وقیوم، غفور ورحیم، حکیم وعلیم اورعالم الغیب والشہادۃ اللہ تعالیٰ ہے اس کا قانون نہیں ہے۔ سامنے کی بات یہ ہے کہ سجدہ اللہ کے حکم ہی کی اطاعت میں کیا جاتا ہے کسے ؟ اللہ تعالیٰ کو۔ اللہ تعالیٰ کے "حکم اور قانون" کو نہیں کیا جاتا بے شک اللہ کے حکم پر چلنا ہی اللہ کی اطاعت و عبادت ہے مگر الٰہ ورب اللہ کی ذات ہے اس کا" حکم و قانون" نہیں۔ دو انسان ہیں ان میں سے ایک اللہ کے قانون کو " الٰہ " مانتا ہے اور دوسرا چاند سورج کو "الٰہ " سمجھتا ہے ان دونوں کے موقف میں آخر کیا فرق ہے۔ عربی دانی اور فہم قرآن تو بڑی شے ہے جو کوئی اردو زبان و ادب کا بھی صحیح ذوق رکھتا ہے اور ساتھ ہی فہم صحیح بھی وہ "عالم الغیب والشہادۃ "اور "حکیم" سے اللہ کا" قانون" کیسے مراد لے سکتا ہے؟ کیا" عالم" و" حکیم" کسی قانون،

دستور اور ضابطہ کی صفت ہو سکتی ہے؟ کیا کسی قانون کو عالم، حکیم، سمیع بصیر اور غفور و رحیم کہا جا سکتا ہے"[30] الحمد للہ ڈاکٹر صاحب نے اللہ بمعنی قانون کی کیسی پیاری تغلیط ثابت کی ہے۔ بعض علماء نے لفظ اللہ کو جامد کی بجائے مشتق سمجھا ہے پھر اسے مشتق کہنے والے علماء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ اس کا مشتق منہ اور مادہ کیا ہے؟ کلمہ طیبہ میں جو لا نفی استغراق کا اسم" الٰہ" ہے اس سے مراد صرف الٰہ حق ہے یعنی مفہوم کلی جس کے مصداق صرف احد ہستی اللہ تعالیٰ کی ہے۔ المختصر! لفظ اللہ کے بارے میں ائمہ میں اتنا اختلاف ہے کہ وہ کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے۔ متفق کیسے ہو سکتے جبکہ لفظ اللہ کا کوئی لغوی اشتقاق نہیں ہے۔

اہل قرآن کے لغوی ماخذ کا اسلوب

اہل قرآن نے لفظ" اللہ" لغوی جنسی وجودی تعبیر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اہل قرآن کے ہر مفسر نے الٰہ کے معنی کو لغوی اسلوب میں الگ الگ بیان کیا ہے۔ لھذا اہل قرآن کی اس تاویل کا ماخذ بعض ائمہ لغویین اور مفسرین ہیں۔ جن کے نزدیک اللہ لغوی لحاظ سے اسم جنس بمعنی معبود ہے۔ جس سے عابد اور معبود جنسی لحاظ سے قدیم ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وحدۃ الوجودی تعبیر لا معبود الا اللہ کی ہے۔ چند مفسرین کی آراء پیش ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل قرآن نے الٰہ کے تاویلی اسلوب کو اپنایا ہے۔ جب کہ لفظ" اللہ" لغوی وجودی لحاظ سے قرآن کے فلسفہ الٰہیات کے مطابق اسماء الاجناس میں سے نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

امام زمخشری لکھتے ہیں:

اللہ اصلہ الالٰہ ... کما یقال یا الٰہ، والالٰہ من اسماء الاجناس کل رجل والفرس۔ اسم یقع علی کل معبود بحق او باطل، ثم غلب علی المعبود بحق کما ان النجم اسم لکل کوکب ثم غلب علی الثریا۔[31]

"امام زمخشری فرماتے ہیں اللہ کی اصل لغوی لحاظ سے الٰہ ہے اور الٰہ اسماء الاجناس میں سے ہوتا ہے جیسے مرد اور گھوڑا کی الگ الگ جنس ہے اس لحاظ سے الٰہ کا لفظ ہر حق و باطل معبود پر واقع ہوتا ہے۔۔۔"

امام زمخشری کے نزدیک اللہ لغوی لحاظ سے اسماء الاجناس میں سے ہے۔ یہ لغوی و جنسی فکر ہے جس سے اللہ ممکنات کی جنس سے ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجودی فکر ہے جس میں وجود مطلق، نفس کلیہ اور لا موجود الا اللہ کا مفہوم ثابت ہوتا ہے۔

امام بیضاوی لکھتے ہیں کہ اللہ کی اصل الٰہ بمعنی معبود ہے:

واللہ اصلہ الٰہ فحذفت الھمزۃ وعوض عنھا الالف واللام ولذالك قیل یا اللہ بالقطع الا انہ یختص بالمعبود بالحق والالٰہ فی اصلہ لکل معبود ثم غلب علی المعبود بحق۔[32]

"لفظ اللہ کی اصل الٰہ ہے ہمزہ کو حذف کر کے عوض میں الف لام لایا گیا (اور چونکہ الف لام عوضی تعریف کا نہیں) اس لیے بوقت نداء یا اللہ ہمزہ قطعی کے ساتھ کہا جاتا ہے مگر یہ کہ لفظ اللہ معبود حق کے ساتھ خاص ہے اور لفظ الٰہ اپنے اصلی معنی کے اعتبار سے ہر معبود پر بولا جاتا ہے پھر اکثریتی اطلاق اس کا معبود حق پر ہونے لگا"

قاضی ابو سعود عمادی لکھتے ہیں:

واللہ الا صلہ الالٰہ[33] " قاضی صاحب کے نزدیک اللہ کی اصل الٰہ ہے "والالٰہ فی اصلہ اسم جنس یقع علی کل معبود بحق او باطلٍ[34]" اور اصل میں الٰہ اسم جنس ہے جو ہر حق و باطل الٰہ پر واقع ہوتا ہے"

قاضی ابو سعود عمادی کے نزدیک اللہ کی اصل الٰہ ہے اور پھر الٰہ کی اصل ایسی اسم جنس ثابت کرتے ہیں جس کا اطلاق ہر حق و باطل معبود پر ہو سکتا ہے یہی وحدۃ الوجودی جنسی فکر ہے حالانکہ اللہ اسم جنس سے ماوراء ہے بلکہ اسم عَلَمْ ہے (لَمْ يَلِدْ ـ وَلَمْ يُوْلَدْ) (اخلاص 3:112) کی نص وارد ہے لھذا وہ ہر طرح کی جنس سے منزّہ و مبرّا ہے۔

امام جمال الدین عبد الرحمٰن الجوزی لکھتے ہیں:

وحکی عن بعض الغویین الہ الرجل یالہ الاھۃ بمعنی عبد یعبد عبادۃ۔۔۔فمعنی الہ المعبود۔[35]

''بعض لغویین سے حکایت بیان کی جاتی ہے الٰہ کا لغوی معنی معبود ہے جس کی اصل الہ الرجل یالہ الاہۃ بمعنی عبد یعبد عبادۃ ہے''

محمد علی الصابونی اللہ اور الٰہ کے لغوی جنسی معنی عبادت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الفرق بین (اللّٰہ) و (الٰہ) ان الا ول اسم علم للذات المقدسۃ ذات الباری جل وعلا ومعناہ المعبود بحق والثانی معانہ المعبود بحق او باطل فھو اسم یطلق علی اللہ تعالیٰ وعلی غیرہ''۔[36]

''امام محمد علی صابونی اللہ اور الٰہ کے درمیان لغوی فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بے شک پہلا اسم اللہ کی ذات مقدسہ کے لیے علم ہے اور اس کا معنی معبود حق ہے اور دوسرا الٰہ کا معنی معبود حق اور باطل ہے اس لئے الٰہ کے اسم کا اللہ تعالیٰ اور دوسرے باطل الٰہ پر اطلاق ہو سکتا ہے''

علامہ محمد جمال الدین قاسمی اللہ کا لغوی جنسی معنی معبود بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و(اللّٰہ) علم علی ذاتہ۔ تعالیٰ وتقدس۔ قال ابن عباس ھو الذی یألھہ کل شیء و یعبدہ واصلہ "الاہ" بمعنی مالوہ ای معبودٌ[37]

''اللہ تعالیٰ بذاتہ اسم علم ہے جو کہ عالی اور مقدس شان والی ہستی ہے اور ابن عباس کے بقول اللہ تعالیٰ ایسی شان والی ہستی ہے جس کی طرف ہر شے التجاء اور اسی کی عبادت کرتی ہے اور اللہ کی اصل الٰہ ہے جس کا معنی ہے جس کی طرف التجاء کی جائے یعنی معبود''

امام شہاب الدین الحلبی اللہ کا اشتقاقی معنی معبود کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وھو علم علی المعبود بحق لا یطلق علی غیرہ ولم یجسر احد من المخلوقین ان یتسمی بہ و کذالك الا لہ قبل النقل والا دغام یطلق الا علی المعبود بحق قال الزمخشری: (کانہ صار علما علماً بالغلبۃ) واما (الٰہ) المجرد من الا لف واللام فیطلق علی المعبود بحق وعلی غیرہ قال تعالیٰ (لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا) (انعام ۲۱:۲۲) (وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ) (۲۳ :۱۱۷) (۲۵:۳۳) (وختلف الناس ھل ھو مرتجل او مشتق)[38]

''اللہ کا لفظ معبود حق پر اسم عَلَمْ کے طور پر آتا ہے جس کا کسی دوسرے پر اطلاق نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مخلوقات میں سے کوئی اس اسم سے موسوم ہو سکتا اور اسی طرح الٰہ کا اسم نقل اور ادغام سے قبل معبود حق پر ہی منطبق ہو سکتا ہے امام زمخشری فرماتے ہیں گویا کہ اللہ غلبہ کے ساتھ عالم ہو گیا اور اسی طرح الٰہ کا اسم الف لام کے بغیر معبود حق اور غیر پر اطلاق کر سکتا ہے۔انسانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کیا اللہ کا اسم مرتجل یا اشتقاقی ہے''۔

امام رازی کے بقول الٰہ اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہے:۔ قال الخلیل:و کذلك قولنا الا لہ مخصوص بہ سبحانہ و تعالیٰ۔[39]

''امام خلیل فرماتے ہیں ہمارے قول کے مطابق الٰہ کا اسم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے مخصوص ہے''

امام قرطبیؒ فرماتے اللہ سبحانہ کے اسم کا اشتقاقی معنی معبود ہے:

فاسم اللہ مشتق من ہذا فاللہ سبحانہ معناہ المقصود بالعبادۃ ومنہ قول الموحدین (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) معناہ لا معبود غیر اللہ و(الّا) فی الکلمۃ بمعنی غیر لا بمعنی الا ستثناء[40] "اللہ سبحانہ کے اسم کا اشتقاقی معنی عبادت مقصود ہے ان میں سے مواحدین کا قول لا الہ کا معنی اللہ کے سوا دوسرا کوئی غیر معبود نہیں ہے کلمہ میں الا بمعنی غیر نہ کہ استثناء ہے"۔

امام رازی لکھتے ہیں:

۱۔واعلم انہ تعالیٰ ہو المستحق للعبادۃ، وذلک لانہ تعالیٰ ہو المنعم بجمیع النعم اصولہا وفروعہا وذلک لان الموجود اما واجب واما ممکن، والوجب واحد وہو اللہ تعالیٰ، وما سواہ ممکن، والممکن لا یوجب الا بالمرجح، فکل الممکنات انما وجدت بایجادہ وتکوینہ اما ابتدا واما بواسطۃ فجمیع ما حصل للعبد من اقسام النعم لم یحصل الا من اللہ فثبت ان غایۃ الا نعام صادرۃ من اللہ والعبادۃ غایۃ التعظیم فاذا ثبت ھذا فنقول: ان غایۃ التعظیم لا یلیق الا لمن صدرت عنہ غایۃ الا نعام فثبت ان المستحق للعبودیۃ لیس الا اللہ تعالیٰ۔[41]

"اور جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اور یہ اس لیے کہ وہ منعم حقیقی ہے ہر نعمت کی اصل اور فرع کے حوالے سے اور اس لیے کہ موجود کی دو صورتیں ہیں یا تو موجود واجب ہوگا یا پھر ممکن اور واجب صرف وہ واحد اللہ تعالیٰ ہے اور جو اس کے سوا ہے سب ممکن میں داخل ہے اور کوئی ممکن وجود کا درجہ نہیں پاتی مگر مرجح کی صورت میں (یعنی اس کے عدم پر وجود کو ترجیح دی جائے) لہٰذا ممکنات کا وجود محض ایجاد اور تکوین سے ہوتا ہے اور نعمتوں کے جمیع ابتداء و وسائط ایک بندے کی عبادت کے لئے ہیں اور اللہ کے سوا کہیں سے یہ نعمتیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نعمتوں کا صدور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کی غایت سے ہے اور عبادت اس منعم حقیقی کی تعظیم کی غایت سے ہے، کیونکہ نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں لہٰذا مستحق عبادت بھی اس کے سوا کوئی نہیں"

قاضی ابو سعود عمادی لکھتے ہیں:

ھو اسم عَلَم لذات الجلیل ابتداء وعلیہ مدار امر التوحید فی قولنا (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ)(محمد۴۷:۱۹)لا یخفی ان اختصاص اسم الجلیل بذاتہ سبحانہ بحیث لا یمکن اطلاقہ علی غیرہ۔۔۔ان کان اسم جنس فی الاصل وقیل ھو وصف فی الاصل لکنہ لما غلب علیہ بحیث لا یطلق علی غیرہ اصلاً صار کالعلم ویردہ امتناع الوصف بہ واعلم ان المراد بلمنکر فی الکلمۃ التوحید ھو المعبود بحق فما نھا لا فرد من الفراد معبود بالحق الا ذالک المعبود بالحق وقیل اصلہ لاھا باسریایۃ۔[42]

"وہ (لفظ اللہ) اسم علم ذات جلیل کے لئے ابتدا ہی سے مستعمل ہے اور توحید کا سارا دار ومدار اسی پر ہے ہمارا قول یہ ہے کہ (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) (محمد 19:47) میں ذرہ برابر بھی یہ امر مخفی نہیں کہ یہ صرف اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور اصولاً کسی غیر پر اس کا اطلاق قطعاً نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کے ساتھ صفات کی تردید ہوتی ہے اور کلمہ توحید میں صرف معبود حق کا کسی دوسرے فرد یا غیر پر اطلاق کا انکار ہوتا ہے اور معبود بالحق اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا صرف وہی معبود بالحق ہے اور جس طرح سریانی کہتے ہیں تو ان کے قول کی کچھ اصل نہیں"

حمید نسیم لکھتے ہیں:

''الٰہ کے لغوی معنی معبود ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں الٰہ باطل معبودوں کے لیے بھی آتا ہے لیکن ال سے تخصیص ہو جاتی ہے وہ جو یگانہ اور لاشریک معبود ہے۔۔۔''[43] (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) (محمد 19:47) کی جس توحید کو تمام رسول اپنے اپنے عہد میں پیش کر تے رہے ہیں اور اسی توحید پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف ایمان لا کر اسلام کے مدارج علیا حاصل کرتے رہے ہیں۔ کلمہ طیبہ میں الٰہ ایک ایسا جامع اسم ہے جو سارے عالمین کے حوائج کی تکمیل کے لیے اللہ کے ہر صفاتی اسم کا علیحدہ علیحدہ تصرف ثابت کرتا ہے۔ جیسے اللہ کا ایک نام رزاق ہے تو اس کی رزاقیت کا تعلق اس مخلوق کے ساتھ رہے گا جن کی بقاء رزق کی نعمت پر موقوف ہے۔ اللہ کے کافی صفاتی اسماء ہیں جن میں کوئی ایسا جامع اسم نہیں جو اللہ کی صفت تخلیق اور تخلیق عالمین کے بعد ہر شے کی بقاء کے لیے تکوینی تصرف ثابت کرسکے۔ لہٰذا الٰہ ایسا جامع اسم ہے جو معدومات کو موجود اور موجودات کو معدوم کرسکتا ہے اس لیے عالمین کی ہر شے اپنی احتیاج کے لیے اللہ ہی کی محتاج نظر آتی ہے اس احتیاج کی تکمیل کے لیے ان الگ الگ اسماء کی بجائے ایک ہی جامع اسم الٰہ کو پکارنا پڑتا ہے جس سے جنسی فکر کی نفی ثابت ہوتی ہے اہل قرآن کی جنسی فکر کا ابطال پیش ہے۔

پرویز کے فلسفہ الٰہ کی جنسی تعبیر کا ابطال

محققین ائمہ مفسرین واصولیین اور فقہاکے نزدیک اللہ لغوی لحاظ سے اسم جنس نہیں ہے۔ بلکہ اسم عَلَمْ ہے ورنہ یہی وجودی فکر جس سے شرک کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔امام رازی لکھتے ہیں کہ اگر الٰہ کا لغوی وجودی معنی معبود کیا جائے تو الٰہ ازلی نہ ہوگا بلکہ وحدۃ ادیان کا نظریہ ثابت ہوگا۔

انه اسم مشتق ... ان الالٰه هو المعبود، سواء عبد بحق او باطل ثم غلب في عرف الشرع على المعبود بالحق وعلىٰ هذا التفسير لا يكون الهاً في الا زل۔۔۔[44]''اللہ کا اسم الٰہ سے مشتق ہے۔۔۔جس سے الٰہ کا اشتقاقی معنی معبود ہوگا یہ ایسا معبود ہوگا جس کا اطلاق معبود ''حق اور باطل پر ہوگا پھر عرف شرع میں معبود حقیقی پر غالب ہونے لگا یہ ایسی تفسیر ہے جس سے الٰہ ازلی ثابت نہ ہوگا''۔

عبد العزیز بن عبد السلام لکھتے ہیں کہ اللہ کا لغوی معنی معبود کیا جائے تو اللہ ازلی نہ رہے گا۔

او اشتق من التأله وهو التعبد، تأله فلان: تعبد، واشتق من فعل العبادة فلا يتصف به في الازل، او من استحقاقها على الاصح فيتصف به ازلاً۔[45]''عبد العزیز بن عبد السلام لکھتے ہیں کہ اللہ کا لغوی معنی معبود کیا جائے کہ فلاں نے عبادت کی اور الٰہ کو فعل عبادت سے مشتق مانا جائے تو اللہ ازل سے موصوف نہ رہے گا اللہ تعالیٰ کے لئے اصح استحقاق یہی ہے اسے ازل سے موصوف مانا جائے''

امام رازی لکھتے ہیں جب اللہ کا اسم مشتق نہیں لھذا اسم جنس بھی نہیں:

ان هذا اللفظ اسم عَلَمٌ لله تعالىٰ وانه ليس بمشتق البتة وهو القول الخليل وسيبويه وقول اكثر الاصولين والفقها ويدل عليه وجوه وحجج:۔الحجة الاولىٰ: انه لو كان لفظاً مشتقاً لكان معناه معنى كليا لا يمنع نفس مفهومه من وقوع الشركة فيه لان اللفظ المشتق لا يفيد الا انه شيء ما مبهم حصل له ذلك المشتق منه هذا المفهوم لا يمنع من وقوع الشركة فيه بين كثيرين، فثبت ان هذا اللفظ لو كان مشتقا لم يمنع وقوع الشركة فيه بين كثيرين، ولو كان كذلك لما كان قلنا (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) توحيداً حقاً ما نعاً من وقوع الشركة فيه بين كثيرين لا بتقدير ان يكون الله لفظاً مشتقاً كان قولنا "الله" غير مانع من ان يدخل تحته اشخاص كثيرة، وحينئذ لا يكون قولنا (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)موجباً للتوحيد المحض وحيث اجمع العقلا على ان قولنا (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) يوجب التوحيد المحض علمنا ان قولنا "الله "اسم علم موضوع لتلك الذات المعينة وانها ليست من الالفاظ المشتقة۔[46]

''امام رازی فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ لفظ اسم عَلَمْ اللہ ہی کے لیے مختار ہے یہ مشتق مطلق ہی نہیں اور یہ امام خلیل وسیبویہ اور ائمہ اصولیین و فقہا کی اکثریت کا فیصلہ ہے اس پر درج ذیل وجوہات دلالت کرتی ہیں اور یہی حجت ہیں۔

*۔ان میں سے پہلی حجت یہی ہے کہ اگر اس لفظ کو مشتق لیا جائے تو اس کا معنی کلی طور پر وقوع شراکت سے منع نہیں کرتا۔

*۔اگر اس لفظ کو مشتق لیا جائے تو یہ توحید کے لیے مفید نہیں ہو سکتا سوائے اس شے کے اس سے صرف ابہام ہی حصول مشتق ہوتا ہے یہ ایسا مفہوم ہے کہ کثیرین کے درمیان وقوع شراکت کو منع نہیں کرتا پس ثابت ہو گیا کہ اگر اس کو مشتق لیا جائے تو یہ کثیرین کے درمیان وقوع شراکت کو ثابت کرتا ہے حالانکہ ہمارا قول (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) (محمد 19 : 47) کثیرین کے درمیان وقوع شراکت کو حقیقی طور پر منع کرتا ہے اگر اس صورتحال میں اللہ کے لفظ کو مشتق مانا جائے تو ہمارا قول (اللہ) غیر مانع ثابت ہوتا ہے جس سے اس کے تحت کثیر اشخاص داخل ہو جاتے ہیں اس طرح ہمارا قول (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) (محمد 19 : 47) توحید محض کے لیے موجب نہ رہے گا حالانکہ جمیع اہل عقلاء کہتے ہیں ہمارا قول (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) (محمد 19 : 47) توحید محض کے لیے واجب ہے اس سے ہم نے جان لیا ہے کہ ہمارا قول (اللہ) اسم عَلَمْ موضوع ہے یہی ہستی معینہ ہے بے شک اللہ کا اسم الفاظ مشتق میں سے نہیں ہے''

امام رازی لکھتے ہیں:

ان من ارادیذکر ذاتاً معینة ثم یذکرہ بالصفات فانه یذکر اسمه اولا ثم یذکر عقیب الاسم الصفات مثل ان یقول: زید الفقیه النحوی الاصولی، اذا عرفت هذا فنقول ان کل من اراد ان یذکر الله تعالیٰ بالصفات المقدسة فانه یذکر اولا لفظة الله ثم یذکر عقبیه صفات المدائح مثل ان یقول: الله العالم القادر الحکیم، ولا یعکسون هذا فلا یقولون: العالم القادر الله وذلك یدل علی ان قولنا "الله" اسم علم۔ قال تعالیٰ (هل تعلم له سمیا) ولیس المراد من الاسم فی هذه الآیة الصفة والا لکذب قوله (هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا)(65:19) فوجب ان یکون المراد اسم العلم فکل ما ثبت لله اسم علم قال لیس ذاك الا قولنا الله (47)

''اگر کوئی انسان اللہ کی ذات معینہ کا تذکرہ کرنا چاہے تو پھر اس کے اسم صفات کا تذکرہ کرے پس اس کو چاہیے کہ اوّل اس کے اسم ذات کا تذکرہ کرے پھر اس کے بعد اسم صفات کا تذکرہ کرے مثال کے طور پر زید الفقہی النحوی الاصولی کہتا ہے جب میں نے اس بات کی معرفت حاصل کر لی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی انسان اللہ کی صفات مقدسہ کا ذکر کرنا چاہے تو چاہیے کہ وہ اوّل اللہ کے لفظ کا تذکرہ کرے پھر اس کے بعد صفات مدائح کا تذکرہ کرے مثال کے طور پر وہ یہ کہے کہ اللہ عالم قادر حکیم ہے اس کے برعکس یہ نہ کہے عالم قادر اللہ ہے یہ بات ہمارے اس قول پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ ہی اسم عَلَم ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا'' اے رسول ﷺ بھلا تم کسی اور کو اس کا ہم اسم جانتے ہو''اس آیت میں صفت مراد نہیں ورنہ اس قول کی تکذیب ہوتی (هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا) (مریم 19 : 65)'' پس یہ بات واجب ہو گی اس سے مراد اسم علم ہے لہٰذا کلی طور پر اللہ کا لفظ اسم عَلَم اسم با مسمّٰی ثابت ہو گیا'' امام رازی کی اس عبارت کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدم ہے اور اسمائے صفاتیہ کا بعد میں آنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم قبل نزول قرآن اسی طرح مستعمل تھا۔ ابو اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی فخر الدین کے حوالے سے اسم جنس کی تغلیط کرتے ہوئے اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں اللہ لغوی لحاظ سے اسم جنس نہیں ہے۔ بلکہ اسم علم اور جامد ہے:

وقد اختار فخر الدین انه اسم علم مشتق البتة، قال: وهو قول الخلیل وسیبویه واکثر الاصولیین والفقهاء ثم اخذ یستدل علی ذلك بوجوہ: منها: انه لو کان مشتقاً لاشترك فی معناہ کثیرون، ومنها: ان بقیة الاسماء تذکر صفات له، فتقول: الله الرحمٰن الرحیم الملك القدوس فدل انه لیس بمشتق، قال: فاما قوله تعالیٰ (الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ

۔اللّٰہِ ۔۔) (ابراھیم 14 : ۱۔۲)علی قراءۃ الجر فجعل ذلك من باب عطف البیان، ومنھا قوله تعالیٰ (هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا) (مریم 65:19)وفی الاستدلال بھذہ علی کون ھذا الاسم جامداً غیر مشتق نظر۔([48])

"ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کو اسم عَلم مشتق اختیار کیا جائے تو یہی امام خلیل سیبویہ اور ائمہ اصولیین و فقہا کی اکثریت کا فیصلہ ہے اس سے درج ذیل وجوہات پر استدلال کیا جائے تو ان میں سے ایک یہ ہے اگر اسے مشتق مانا جائے تو اس کے کثیر معنی میں اشتراک ثابت ہوتا ہے اور ان میں سے یہ ہے کہ بقیہ اسماء اس کی صفات کا تذکرہ کرتے ہیں جیسے اللہ الرحمٰن ،الرحیم ، الملک ، القدوس ہے یہ بات دلالت کرتی ہے کہ وہ مشتق نہیں پھر اس نے کہا کہ اللہ کا قول (الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ۔اللّٰهِ۔۔) (ا: ۱۴۔۲) قراءۃ جریر پر اسے باب بیان عطف میں بیان کیا گیا ہے اس سے قول الٰہی" اے رسول ﷺ بھلا تم کسی اور کو اس کا ہم اسم جانتے ہو" ان آیات سے یہ استدلال ثابت ہوتا ہے اللہ کا اسم جامد غیر مشتق ہے"

پھر لکھتے ہیں:

(اللّٰہ)علم علی الرب تبارك و تعالیٰ،یقال: انه الاسم الاعظم ،لانه یوصف بجمیع الصفات کما قال تعالیٰ (هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ(۲۳:۵۹۔۲۴)فاجری الاسماء الباقیۃ کلھا صفات له، کما قال تعالیٰ (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا)وقال تعالیٰ: (قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ۔۔۔)(110:17)وھو اسم لم یسم به غیرہ تبارك و تعالیٰ ولھذا لا یعرف فی کلام العرب لھا اشتقاق من فعل و یفعل فذھب من ذھب من النحاۃ الی انه اسم جامد لا اشتقاق له ۔وقد نقل القرطبی عن جماعة من العلماء منھم الشافعی والخطابی وامام الحرمین والغزالی وغیرھم ،وروی عن الخلیل و سیبویه ان الالف واللام فیه لازمة قال الخطابی: الا تری انك تقول :یااللّٰہ ولا تقول: یالرحمٰن ،فلولا انه من اصل الکلمة لما جاز ادخال حرف النداء علی الالف واللام۔([49])

"اسم اللہ رب تبارک و تعالیٰ پر اسم علم ہے ،اسے اسم اعظم بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ جمیع صفات باری سے متصف ہے ، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں صرف وہی شان الوہیت والا مالک ہے ، تقدیس ، سلامتی ،امن اور حفاظت دینے والا زبردست ، جبار اور شان کبریائی والا ہے، اللہ ان کے شرکیہ عقائد سے منزہ اور بلند شان ہے وہی اللہ کہ جس نے تخلیق کی اور کرتا رہتا ہے اور تصویر کشی کرنے والا، اس کے لئے اچھے اور خوب اسماء ہیں، آسمان و زمین کی ہر چیز اس کے لئے تسبیح خواں ہے وہ زبردست ہے کمال حکمت والا، باقی جو اسماء (زبانوں) پر جاری ہیں اس کی صفات ہیں جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے کہ سب اس کے اچھے سے اچھے اسماء ہیں تم اسے انہی اسماء سے یاد کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اسے رحمٰن کہہ کر پکارو یا اللہ کہہ کر جس نام سے پکارو سب اس کے اچھے سے اچھے اسماء ہیں لہٰذا یہ اسم ایسا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے غیر میں کسی کو اس اسم سے موسوم نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا کلام عرب میں اس اسم کا کوئی مشتق، مصدر، فعل ماضی یا فعل مضارع یفعل نہیں ملے گا۔لہٰذا نحوی اس طرف گئے ہیں کہ اس اسم کا مشتق نہیں بلکہ یہ جامد ہے۔امام قرطبیؒ علماء کی جماعت جن میں شافعی،خطابی ،امام الحرمین ،غزالی اور ان سے دیگر شامل ہیں، سے نقل کرتے ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے بھی روایت کرتے ہیں کہ الف لام اس میں لازمی (جز) ہیں خطابی کہتے ہیں کہ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تم یا اللہ تو کہتے ہو یا الرحمٰن نہیں کہتے۔ پس یہ کلمہ کی اصل ہوتے تو الف لام پر حرف نداء داخل ہونے کا جواز کب پیدا ہوتا"

شیعہ مفسر ابو القاسم الموسوی فلسفہ الٰہ کا وحدۃ الوجودی جنسی معنی کی تغلیط کرتے ہوئے اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں:۔

ومن توهم انه اسم جنس فقد اخطاء، ودليلنا على ذلك امور:

الاول: التبادر، فان لفظ الجلالة ينصرف بلا قرينة الى الذات المقدسة ولا يشك فى ذلك احد، وباصالة عدم النقل يثبت انه كذلك فى اللغة، وقد حققت حجيتها فى علم الاصول۔

الثاني: ان لفظ الجلالة ۔ بما له من المعنى۔ لا يستعمل وصفاً فلا يقال: العالم الله، الخالق الله، على ان يراد بذلك توصيف العالم والخالق بصفة هى كونه الله وهذه آية كون لفظ الجلالة جامدًا، واذا كان جامداً كان علماً لا محالة فان الذهب الى انه اسم جنس فسره بالمعنى الاشتقاقى۔

الثالث:۔ ان لفظ الجلالة لو لم يكن علماً لما كانت كلمة (لا اله الا الله) كلمة توحيد، فانها لاتدل على التوحيد بنفسها حينئذ، كما لا يدل عليه قول: لا اله الا الرازق، او الخالق، او غيرهما من الالفاظ التى تطلق على الله سبحانه، ولذلك لا يقبل اسلام من قال احدى هذه الكلمات۔

الرابع:۔ ان حكمة الوضع تقتضى وضع لفظ لذات المقدسة كما تقتضى الوضع بإزاء سائر المفاهيم، وليس فى لغة العرب لفظ موضوع لها غير لفظ الجلالة فيتعين ان يكون هو اللفظ الموضوع لها۔ [50]

"بعض علماء کا یہ خیال قطعی طور پر غلط ہے کہ لفظ اللہ (لفظ انسان کی طرح) اسم جنس ہے جس کا ایک ہی فرد پایا جاتا ہے ہم اس مقام پر اپنے مدعیٰ کے اثبات میں چار دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ تبادر، یعنی جب بھی لفظ اللہ بولا جاتا ہے بغیر کسی دوسرے قرینہ اور علامت کے ہستی الٰہی ذہن میں آتی ہے اس میں کوئی بھی انسان شک نہیں کر سکتا اگر کوئی انسان یہ احتمال دے کہ ممکن ہے کہ اصل لغت میں لفظ اللہ اسم جنس ہو اور بعد میں اس لفظ کو الٰہ سے مختص کر دیا گیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ (قاعدہ کلیہ) شک کی صورت میں احتمال کو کالعدم فرض کیا جاتا ہے چنانچہ میں نے علم اصول میں اس قاعدے کو ثابت کیا ہے۔

۲۔ لفظ اللہ اپنے معنی میں صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوتا مثلاً یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ العالم الله الخالق الله۔ بایں معنی کہ لفظ اللہ کے ذریعے عالم اور خالق کی صفت بیان کی جائے یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ لفظ اللہ اسم مشتق نہیں ہے اور جب اسم جامد ہوگا تو لامحالہ یہ علم ہوگا کیونکہ جن قائلین کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے وہ مشتق والے معنی کی صورت میں اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ (جس سے توحید وجودی ثابت ہوتی ہے۔لا معبود الا اللہ کلمہ کفریہ شرکیہ ہے۔جس سے شرک کی نفی اور وحدۃ ادیان کا اثبات ہوتا ہے)

۳۔ اگر لفظ اللہ عَلَمنہ ہوتا اور اسم جنس ہوتا تو کلمہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) (محمد 47:19) سے توحید ثابت نہ ہوتی جس طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا الرزّاق یا اِلَّا الخالق وغیرہ سے توحید ثابت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی لَآ اِلٰہ اِلَّا الرزّاق یا اِلَّا الخالق کہے تو وہ مسلمان نہیں کہلائے گا۔

۴۔ حکمت وضع کا تقاضا ہے کہ جس طرح دوسرے مفاہیم کے لیے کسی نہ کسی لفظ کو وضع کیا گیا ہے اسی طرح اللہ کی ہستی مقدسہ کے لیے بھی کوئی نہ کوئی لفظ وضع کیا جانا چاہیے اور لغت عرب میں لفظ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ نہیں جس کو اللہ کی شان جلالت سے مختص کیا گیا ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ اللہ ہی ہے جس کو شان الوہیت کے لیے مختص کیا گیا ہے"

امام موسوی اس عبارت کی شق نمبر ۳ کی آسان تصریح امام رازی کے قول سے اس طرح بیان کرتے کہ انسان اللہ کے اسم کے علاوہ کسی صفاتی اسم کہنے سے کفر سے نہ نکلے گا۔

ان كلمة الشهادة وهى الكلمة التى بسببها ينتقل الكافر من الكفر الى الاسلام لم يحصل فيها الا هذا الاسم فلو ان الكافر قال: اشهد ان لا اله ...الا الرحيم او الا الملك او الا القدوس لم يخرج من الكفر ولم يدخل فى الاسلام اما اذا قال اشهد ان لااله الا الله فانه يخرج من الكفر ويدخل فى الاسلام وذلك يدل على اختصاص هذا الاسم بهذه الخاصية الشريفة ۔(51) ''بے شک کلمہ شہادت ایسا کلمہ ہے کہ جس کے سبب سے ایک کافر کفر سے اسلام میں منتقل ہو جاتا ہے (پھر) اس کلمہ میں سے اس اسم کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ پس اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی کافر کہے کہ رحیم کے سوا یا مالک کے سوا یا قدوس کے سوا کوئی الٰہ نہیں (حالانکہ یہ اسماء الحسنٰی ہیں) تو کبھی بھی کفر سے خارج ہو کر اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ نہ کہے کہ میں سچے دل سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ تو یقیناً وہ کفر سے خارج ہو کر اسلام میں داخل ہو جائے گا۔ پس یہ اس اسم کے اس خاصۂ شریفہ کے ساتھ اختصاص پر دلیل ہے''

ابو اللیث نصر بن محمد السمر قندی لفظ اللہ کی لغوی جنسی تغلیط ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقوله (الله) هو اسم موضوع ليس له اشتقاق وهو اجل من ان يذكر له الاشتقاق وهو قول الكسائى قال ابو الليث هكذا سمعت ابا جعفر يقول روى عن محمد بن الحسن انه قال هو اسم موضوع ليس له اشتقاق۔ (52)''امام کسائی کا قول ہے کہ اللہ کا اسم موضوع ہی ہے اس کا کوئی اشتقاق نہیں لہٰذا بہتر یہی کہ اس کے لیے کسی اشتقاق کا ذکر نہ کیا جائے اسی طرح امام ابو اللیث کا قول ہے کہ اللہ کا اسم موضوع ہی ہے لہٰذا اس کا کوئی لغوی اشتقاق نہیں''

امام ابو محمد حسین البغوی لکھتے ہیں:۔

قوله تعالىٰ (الله) قال الخليل وجماعت وهو اسم العَلَمْ خاص لله تعالىٰ لا اشتقاق له كاسماء العلام للعباد مثل زيد وعمرو۔(53)''

اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں امام خلیل اور دوسری جماعت کہتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے خاص اسم عَلَمْ ہے جس کا لغوی اشتقاق نہیں جیسے انسانوں کے اسماء ہیں زید و عمرو وغیرہ''

امام عزالدین بن عبدالعزیز الشافعی لکھتے ہیں:

(الله) اخص اسماء الرب لم يتسم به غيره (هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا) (مریم19:65) تسمى باسمه ،او شبيها ۔ابو حنيفة:(هو اسم اعظم) وهو عَلَمْ اذلا بد للذات من اسم علم يتبعه اسماء الصفات۔(54)

''اللہ رب کے اسماء میں سے خاص اسم ہے جس سے دوسرا کوئی موسوم نہیں ہو سکتا۔۔۔اسی اسم سے یہ موسوم ہے۔۔۔ابو حنیفہ کے بقول اللہ اسم اعظم ہے اور وہ اسم عَلَمْ ہے اسمعَلَم کے سوا اللہ تعالیٰ کے لیے دوسرا کوئی اسم نہیں جس کی صفات اسکے اسماء کی پیروی کر سکیں''

ابو محمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی لکھتے ہیں:

(الله) ابهر اسماء الله تعالىٰ واكثرها استعمالاً ،وهو متقدم لسائرها فى اغلب وانما تجىءُ الاخر اوصافاً فقالت فرقةً من اهل العلم :هو اسم مرتجل، لا اشتقاق له ،وانما هو اسم موضوع له تبارك وتعالىٰ والالف ،وللام لازمة له ،لا

لتعریف ولا لغیرہ بل ھکذا وضع الاسم۔(55) ''اہل علم کے مکاتب فکر میں سے کہتے ہیں کہ اللہ کا اسم مرتجل ہے اس کا کوئی فعلی اشتقاق نہیں ہے اور بے شک اللہ کے لیے یہی اسم موضوع قرار دیا ہے الف و لام اس کے لیے لازمی ہیں یہ لا تعریف اور نہ ہی اس کے کسی غیر کے لیے ہے بلکہ یہ اسی طرح اسم وضع کیا گیا ہے''

امام جمال الدین عبد الرحمٰن الجوزی لکھتے ہیں:۔

انہ عَلَمٌ لیس بمشتق وفی عن الخلیل رویتان احدھما ان لیس بمشتق، ولا یجوز حذف الالف واللام منہ کما یجوز من الرحمٰن(56) ''بے شک اللہ کا اسم عَلَم کسی سے مشتق نہیں امام خلیل اس بارے میں دو روایتیں بیان کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کسی سے مشتق نہیں اور نہ ہی یہ الف اور لام سے حذف کیا گیا ہے جیسے کہ رحمٰن کے لیے جائز ہے''

محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

اللہ اسم عَلَمٌ لذات المقدسۃ لا یشارکہ فی غیرہ قال القرطبی ھذا الاسم اللہ اکبر اسمآ سبحانہ واجمعہا وھو اسم للمو جو د الحق الجامع لصفات الا لھیۃ المنعوت بنعوت الربوبیۃ ، المنفر د بالوجود الحقیقی لاالہ الا ھو سبحانہ۔(57) ''اللہ اسم عَلَم ہستی مقدسہ کے لیے ایسا اسم ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔۔۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اللہ کا یہ اسم اس کے اسمائے کبریٰ میں سے ہے جو تمام اسماء الحسنیٰ کا مجموعہ ہے اور یہ ایسا اسم ہے جس سے اللہ کی علمی موجودگی حقیقی ثابت ہوتی ہے اور یہ تمام الوہی صفات کے لیے جامع ہے جو ربوبیت کے ساتھ منعوت ہے اللہ کی شان حقیقی کی ایسی انفرادیت ہے کہ جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے لہٰذا وہی ہر طرح کے شرکیہ اسماء سے منزّہ ہے''۔

علامہ سید محمد حسین طباطبائی لکھتے ہیں:

ان لفظ الجلالۃ اسم للذات الواجب الوجود المستجمع لجمیع صفات الکمال والا فھو علم بالغلبۃ لم تعمل فیہ عنایۃ غیر ماید علیہ ما دۃ الہ۔[58]

بے شک لفظ جلالت واجب الوجود ذات کے لئے بطور اسم ہے جس میں جمیع صفات، کمالات مجتمع ہیں اور یہ علم غلبہ جس میں عنایت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اس طرح الٰہ کا مادہ اس پر دلالت نہیں کرتا''

امیر المومنین توحید صدوق میں فرماتے ہیں:

اِنَّ قَوْلَكَ اللّٰهُ اَعْظَمُ اسْمٍ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ الْاِسْمُ الَّذِيْ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُسَمّٰى بِهٖ غَيْرُ اللّٰهِ وَلَمْ يَتَّسِمْ بِهٖ مَخْلُوْق[59]

''تمہارا قول'''' اللہ'' تو یہ اس کے اسماء میں اسم اعظم ہے اور اس اسم سے غیر اللہ کو موسوم نہیں کیا جاتا اور نہ پہلے کسی مخلوق کے لیے یہ استعمال ہوا

صاحب تفسیر الخازن فرماتے ہیں:

*۔ھو اسم علم خاص للہ تعالی تفرد بہ الباری سبحانہ وتعالی لیس بمشتق ولا یشرکہ فیہ أحد[60]'' یہ اسم عَلَم ہے جو اللہ کے لیے مختص ہے اور اللہ کی فردانیت پر دلالت کرتا ہے یہ کسی سے مشتق ہے نہ ہی اس میں کوئی اور شریک ہے''

امام رازی لکھتے ہیں اللہ اور رحمٰن اسم خاص ہیں:

لان لفظ اللہ اسم خاص بالباری تعالیٰ لا یسمّٰی بہ غیرہ مفرداً ولا مضافاً۔ والرحمٰن یوصف بہ غیرہ مضافاً ولا یوصف بہ مفرداً الا اللہ تعالیٰ[61]'' بے شک لفظ اللہ اسم خاص باری تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مفرد مضاف موسوم نہیں ہو سکتا اور

اس طرح رحمٰن کے علاوہ بھی کوئی مضاف موصوف نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی مفرد اس صفت سے موصوف ہو سکتا ہے"

حمید نسیم لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ہستی مطلق کا اسم معرفہ یا حقیقی نام ہے سارے کلام الٰہی کی سارے دین کی اساس یہ نام ہے بس یہی اسم اعظم ہے۔۔۔ تمام علمائے اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ اطلاق کے اعتبار سے یہ نام صرف اس الٰہ حقیقی سے مختص ہے جس نے عالمین کے وجود کو پیدا کیا۔۔۔ واحد ولا شریک جو اپنی ذات میں تمام حقیقی اور دائمی صفات سے ان کے مقام کمال پر متصف ہے جو ہر عیب و نقص سے کلیۃً مبرا اور منزہ ہے یہ نام اس ذات بے ہمتا اور یگانہ و یکتا کے سوا کسی اور کو دینا صریح شرک ہے اور طاغوت کی انتہا ہے جہاں تک اس لفظ کا لفظ کی حیثیت سے تعلق ہے۔۔۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ اپنی وضع کے لحاظ سے اسم عَلَمْ ہے جو کسی دوسرے لفظ سے مشتق نہیں یا یہ کہ یہ صفت کا صیغہ ہے اور دوسرے لفظ سے مشتق ہے۔ ایک مقتدر طبقہ یہ کہتا ہے کہ لفظ اللہ ذات مطلق کا عَلَمْ ہے کسی دوسرے لفظ سے مشتق صفت کا صیغہ نہیں۔ اس دعویٰ کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ لفظ ہر جگہ موصوف کے طور پر استعمال ہوا ہے دوسرے کسی اسم کے ساتھ بطور صفت کے استعمال نہیں ہوا پس ثابت ہوا کہ یہ اسم ذات اور عَلَمْ ہے صفت نہیں۔ دوسری دلیل اس مکتب فکر کی یہ ہے کہ کلمہ توحید میں "اللہ" کے لفظ کا ذکر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لفظ اپنی اصل وضع اور ساخت کے لحاظ سے صرف شان الٰہی کے لیے مخصوص اور بطور عَلَمْ ہے کسی لحاظ سے دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ورنہ (لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ) (محمد 19:47) سے توحید کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا خلیل نحوی اور دوسرے بہت سے علماء سلف کے مطابق اللہ اسم عَلَمْ ہے جو غیر مشتق ہے یاد رہے کہ جاہلیہ کے عرب بھی غیر اللہ کو "اللہ" کبھی نہیں کہتے تھے" (62)

اسم اللہ کا عہد جاہلیت میں بطور اسم عَلَمْ استعمال

امام ابو القاسم موسوی لکھتے ہیں:

(الله) علم للذات المقدسه وقد اعرفها العرب به حتى فى الجاهلية....وقال سبحانه:(وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ) (لقمان 25:31)(63) "اللہ شان الٰہی والی مقدس ہستی کا مخصوص اسم ہے اور زمانہ جاہلیت میں بھی عرب ہستی الٰہی کو اسی اسم سے جانتے تھے" اگر مشرکین سے سوال کیا جائے کہ زمین وآسمان کا خالق کون ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ زمین وآسمان کو اللہ ہی تخلیق کرنے والا ہے"

علامہ سید محمد حسین طباطبائی لکھتے ہیں:

وقد كان مستعملا دائرا فى الالسن قبل نزول القرآن يعرفه العرب الجاهلى كما يشعر به قوله تعالىٰ (وَلَئِنْ سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ فَأَنّٰى يُوْفَكُوْنَ)(زخرف 37:43)وقوله(فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ) (انعام ٦-١٣٦) (64) "نزول قرآن سے قبل مختلف زبانوں میں مستعمل رہا ہے جس سے عرب کے جہلاء بھی بخوبی واقف تھے، جیسا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے، اور اگر آپ ﷺ ان سے سوال کریں کہ ان کا خالق کون ہے تو جھٹ کہہ دیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی کہ وہ اپنے زعم باطل سے کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا "

امام رازی لکھتے ہیں:

هذه ا للفظة عربية اصلية ، والدليل عليه قوله تعالىٰ (وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضَ لَيَقُولُنَّ الله) وقال تعالیٰ : (هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا)(۱۹:۶۵) واطبقوا على ان المراد منه لفظة "الله" واما الا كثرون فقد سلموا كونها لفظة عربية اما القائلون بأن هذا اللفظ اسم علم لله تعالیٰ فقد تخلصوا عن هذا المباحث۔(65)

"یہ لفظ (اللہ) خاص اصل عربی میں ہے اور اس پر دلیل باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ 'اور اگر آپ ﷺ ان سے سوال کریں کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے تخلیق کیا؟ تو فوراً کہیں گے کہ بے شک یہ تو اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے' اور فرمایا 'کیا تیرے علم میں اس کے اسم جیسا کسی دوسرے کا مسمیٰ ہے' اور جو اکثریت (علماء وفضلاء) اسے عربی ادب کا لفظ گردانتے ہیں اور ان میں سے بعض کے نزدیک یہ لفظ اسم علم خاص اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے پس یہی اس مباحث کا خلاصہ ہے "

حمید نسیم پھر لکھتے ہیں:۔

زمانہ قبل از تاریخ سے عربی زبان اور ادب میں اللہ ہی کے لیے استعمال ہوتا آیا ہے۔ بہر حال اس ساری بحث سے ہمارے لیے حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کا ذاتی نام ہے اسم معرفہ ہے تمام ذات اور صفات کو کاملاً جامع ہے جب مومن اللہ کہتا ہے تو وہ اس کو ذات و صفات کے ساتھ پکارتا ہے۔۔۔ اس ضمن میں یہ قرآنی ہدایت ہمیشہ سامنے رہنی چاہیے کہ تمام اسمائے حسنہ اللہ ہی کو زیبا ہیں اور ہم اسے صرف اس کی صفات سے جان سکتے ہیں"(66)

المختصر: اللہ کا لفظ جامد ہے یہ کسی سے مشتق اور نہ ہی کوئی اس سے مشتق ہے نص لم يلد ولم يولد وارد ہے۔*۔ اللہ ایسی احد ہستی ہے جس کی نہ تثنیہ آتی ہے نہ جمع اور نہ ہی تصغیر۔*۔ اللہ کا لفظ مذکر ہے اس کی تانیث نہیں آتی۔ سیبویہ، خلیل اور دیگر فقہا اصولیین میں سے امام شافعی، خطابی، امام الحرمین اور امام غزالی وغیرہم کے قول کے مطابق لفظ "اللہ" اسم عَلَم غیر مشتق ہے۔ یہ لفظ صرف اللہ کے اسم کے طور پر وضع کیا گیا ہے اور بلا شرکت غیر اسی پر ہی دلالت کرتا ہے نہ یہ کسی لفظ سے ماخوذ ہے اور نہ اس سے کوئی اور۔ گویا یہ لفظ خود بھی لفظی اور معنوی اعتبار سے توحید محض کی دلیل ہے۔*۔ لفظ اللہ اسم اعظم ہے اور الٰہ کی ہستی کے سوا اور کسی کا یہ اسم رکھنا الحاد فی الاسماء ہے۔

فلسفہ الٰہ کے بارے میں قرآنی اسلوب

قرآن کا فلسفہ الٰہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالق اور مدبر فی العالمین بھی سمجھا جائے۔ اس لیے کلمہ طیبہ میں اللہ کے ایسے جامع صفاتی اسم کو رکھا گیا ہے جس سے ان دونوں صفات کا اقرار ہو جاتا ہے ورنہ لا خالق الا الله ،لا مالك الا الله ،لا شافعي الا الله،لا كريم الا الله بھی ہو سکتا تھا۔ ان کلموں میں اللہ تعالیٰ کی بعض مخصوص صفات کا اظہار تو ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کامل الوہیت کا اقرار نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمے میں ایسے جامع صفاتی اسم الٰہ کا انتخاب کیا ہے جس کے تسلیم کرنے سے تمام صفات کا کامل اقرار ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے اسم اللہ کا لغوی مفہوم پیش ہے۔

"اللہ" اسم عَلَمُ ہے صاحب قاموس کے بقول اصح یہی ہے کہ یہ اسم عَلَمُ غیر مشتق ہے۔ اسم عَلَمُ سے اللہ کی کسی خاص صفت کا اظہار مقصود نہیں ہوتا بلکہ عَلَمُ سے حقیقت الٰہ کی شان الوہیت مقصود ہے قرآن میں اللہ کا اسم دو ہزار سات سو ایک مرتبہ آیا ہے۔ قرآن میں اسم اللہ کی اس قدر تکرار سے ثابت ہوتا ہے جس قدر اللہ کی شان الوہیت کو قرآن میں متعارف کرایا گیا ہے دوسری کسی الہامی کتاب میں اس قدر متعارف نہیں کرایا گیا ہے۔ تسمیہ میں اسم کے بعد "اللہ رحمٰن" کے اسماء آئے ہیں جو شان الوہیت کے لئے مختص اسم حقیقت کہلاتے ہیں باقی اَکْرَ حے م اسمائے صفت ہے اسم حقیقت تمام صفات کا جامع واکمل مجموعہ ہے جس سے وہ

متصف ہے اصول ہے کہ حقیقت کی صحیح معرفت اس کی صفات کو معلوم کرنے سے ہوتی ہے لھذا لازم ہے تمام صفات و کمالات کا علم حاصل کیا جائے ورنہ اس کی جامع معرفت کا امکان نہیں۔ اسم حقیقت کا وصف ہے کہ یہ جز کی بجائے حقیقت الٰہ کی من حیث الکل حقیقت کو نمایاں کرتا ہے لیکن اسمائے صفات کی خوبی ہے کہ یہ اسم شان حقیقت کی کسی نہ کسی ایک وصف کی حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں جیسے قدیر علیم اور رحیم وغیرہ یہ سب اسماء الٰہ کی مختلف اوصاف کی حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں ان میں سے کوئی اسم ایسا نہیں جو جمیع صفات الوہیت کی حقیقت کو نمایاں کرسکے۔

ا۔" اللہ " ہی ایک ایسا اسم ہے جس کی حقیقت کلیۃً ایسی ہے جو جامع اسماء الحسنٰی کی حقیقت سے متصف و مستحق ہے۔

۲۔اللہ کی ہستی کسی ایک یا چند اوصاف کی حامل نہیں بلکہ کلی وہ اوصاف حسنہ کی حقیقت کو نمایاں کرتی ہے۔

المختصر اسم حقیقت اسے کہتے ہیں جس پر اس کے ہر اوصاف کا اطلاق ہوسکے صفاتی اسم وہ ہوتا ہے جو صرف ایک وصف کی ترجمانی کرے جیسے رحیم کا معنی رحمت کرنے والا ہے اس کا معنی رزاق نہیں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ جو اسم حقیقت ہے اس کے کافی صفاتی اسماء الحسنٰی قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ اکثر ائمہ لغت و مفسرین اور اہل قرآن نے لفظ اللہ کے مختلف لغوی اشتقاقات نکالے ہیں جس سے کسی ایک ہی صفاتی پہلو کا اظہار ہوتا ہے جیسے صفت رزاقیت و عبودیت یہ ایسی فکر ہے جس سے اللہ کی شان الوہیت کی تحدید اور وہ ازلی وابدی الٰہ ثابت نہیں ہوتا حالانکہ (لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ) (۳:۱۱۲۔۴) کی نص قطعی موجود ہے کہ لفظ اللہ سے کوئی شے مشتق نہیں ہو سکتی۔ ائمہ محققین و مفسرین لکھتے ہیں کہ اگر الٰہ کا لغوی وجودی معنی معبود کیا جائے تو الٰہ ازلی ثابت نہ ہوگا۔

اس لحاظ سے علماء کے تین مکاتب فکر

*۔پہلا مکتب فکر کے بقول: الٰا لہ مخصوص ہے الٰہ شان الوہیت والی ہستی کے لیے۔ دوسرے مکتب فکر کے بقول الٰہ جب مضاف واقع ہو تو غیر اللہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا (وَانۡظُرۡ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا) (طٰہٰ۹۷:۲۰) "اے سامری اپنے الٰہ کی طرف دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا" *۔یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی بولا گیا ہے (اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) (طٰہٰ۹۸:۲۰) "تم انسانوں کا حقیقی الٰہ تو صرف اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے" اسی طرح جب الٰہ نکرہ واقعہ ہو تب غیر اللہ پر بولا جاتا ہے جیسا کہ سمندر پار ہو کر بنی اسرائیل نے کئی انسانوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا (يٰمُوۡسَى اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ) (اعراف۱۳۸:۷) "اے موسیٰ علیہ السلام تو ہمارے لیے الٰہ بنا دے جیسے کہ انہوں نے اپنے الٰہ بنائے ہیں" موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس بے ہودہ سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا (اَغَيۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِيۡكُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ) (اعراف۱۴۰:۷) "کیا اللہ کو چھوڑ کر میں تمہارے لیے کوئی اور الٰہ تلاش کروں حالانکہ تمہیں اس نے اس زمانہ میں جملہ اقوام عالم پر فضیلت عطا فرما رکھی ہے"

امام رازی الٰہ کا غیر اللہ پر اطلاق کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

واما الذین کانوا یطلقون اسم الالہ علی غیر اللہ فانما کانوا یذکرونہ بالا ضافۃ کما یقال الہ کذا او ینکرونہ فیقولون: الہ کما قال اللہ تعالیٰ خبرا عن قوم موسیٰ (اَجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ) [۶۷]

"امام رازی لکھتے ہیں کہ وہ جو اسم الٰہ کا غیر اللہ پر اطلاق کرتے ہیں وہ اضافت کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں جیسا کہ الٰہ کہا جاتا ہے یا اس کا انکار کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے قوم موسیٰ علیہ السلام کی خبر بیان کی ہے۔ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے الٰہ بنا دے جیسا کہ انہوں نے الٰہ بنائے بے شک تم جاہل قوم ہو" تیسرے مکتب فکر کے نزدیک اصل میں صرف

"ہ" ضمیر واحد مذکر غائب ہے عربوں کا ذہن عقلی طور پر اسی ہستی کی طرف جاتا ہے کیونکہ ان کو اس بات کا علم تھا کہ صرف وہی ایک ہستی حاضر فی الذہن خالق و مالک و رازق و متصرف و مدبر نظام عالم ہے اس لیے انہوں نے "ہ" ضمیر سے پہلے لام حرف "جر" لگا یا جو تملیک پر دلالت کرتا ہے اس طرح "ہ" سے "لہ" بن گیا اور مطلب یہ ہوا کہ سب کا مالک وہی ایک ہے۔ایک جرمن دانشور کا خیال ہے کہ عربی کا الہ اور عبرانی کا ایل دونوں بہت قدیم زمانے سے چلے آ رہے ہیں"صاحب قاموس کی نگاہ میں صحیح تو یہ ہے کہ یہ علم غیر مشتق ہے عہد جاہلیت کے بت پرست معاشرے میں بھی یہ لفظ عربوں میں اللہ کے لیے رائج تھا عرب اپنی دستاویزوں کا آغاز "بسمك الله" سے کرتے تھے" (۶۸)

"صلح حدیبیہ کے موقع پر جب محمد ﷺ صلح نامہ لکھواتے ہوئے علی ابن ابی طالب سے کہا کہ بسملہ لکھو تو مشرکین کے نمائندے سہیل نے کہا کہ ہم اس جملہ کو نہیں جانتے تم "بسمك الله" "لکھو" (۶۹)"اللہم" "درحقیقت" یا اللہ " ہے۔۔۔اس کے علاوہ قرآن نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مشرکین اللہ کے لیے یہی لفظ استعمال کرتے تھے اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے خلق کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے (۳۰ : ۲۵) جنھوں نے لفظ اللہ کو غیر مشتق، جامد اور مرتجل قرار دیا ہے ان کے پاس قابل ذکر دلیلیں موجود ہیں" (۷۰) جن کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔اس سے ثابت ہوا لغوی تاویلی اسلوب محدود ہے۔اس سے الٰہ ازلی و ابدی ثابت نہیں ہوتا۔یہ صرف ایک جزوی پہلو کو بیان کرتا ہے۔پرویز اور دوسرے اہل قرآن نے الٰہ کو لغوی و جزوی اسلوب میں پیش کیا ہے۔الٰہ کے لغوی معنی بیان کئے ہیں جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔اجمالاً۔ قانون۔ قانون خداوندی۔ صفات خداوندی ۔ نظام خداوندی ،قرآنی معاشرہ۔صاحب اقتدار۔حاکم ۔ حاکمیت ۔معبود۔ با اختیار۔صاحب اختیار وغیرہ۔ لھذا الٰہ کو جامع اسم کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔جس کا طرف ائمہ محققین نے رہنمائی کی ہے۔ورنہ توحید کی بجائے وحدت ادیان کا نظریہ ثابت ہوتا ہے۔یہی عینیتی اسلوب ہے۔ان اصطلاحات میں قدرے مشترک بات یہ ہے اللہ تعالیٰ قوانین کا پابند ہے یہ ایسی الحادی فکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ فاعل مختار ثابت نہیں ہوتا۔جبکہ اللہ تعالیٰ تخلیق اور تدبیر عالمین میں فاعل مختار ہے۔وہ نہ قانون ہے اور نہ ہی کسی غیر کے قانون کا پابند ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ غلام احمد پرویز، مطالب الفرقان، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، ص ۲
۲۔ ماہنامہ طلوع اسلام، جولائی 2007ء، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، ص ۳۷
۳۔ غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، دسمبر ۱۹۸۷ء، ج ۲، ص ۹۰۴
۴۔ نفس المرجع، ص ۹۰۴
۵۔ نفس المرجع، ص ۹۰۴
۶۔ غلام احمد پرویز، معارف، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، ص 207۴
۷۔ ماہنامہ طلوع اسلام ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، جولائی ۲۰۰۷ء، ص ۳۸
۸۔ نفس المرجع، ص ۵۴
۹۔ نفس المرجع، ص ۴۸۔۴۹
۱۰۔ نفس المرجع، ص ۴۹
۱۱۔ امام فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب، طبع بمصر، ص ۱۶۳
۱۲۔ ادارہ بلاغ القرآن، تفسیر القرآن بالقرآن، ۱۱۰۔این سمن آباد لاہور، ج ۲، ص ۵۶۔۵۸

۱۳۔ نفس المرجع، ج ۲، ص۵۶۔۵۸
۱۴۔ نفس المرجع، ج ۱، دیباچہ، ص ۵۷
۱۵۔ غلام احمد پرویز، قرآنی نظام ربوبیت، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور ص ۱۱۷
۱۶۔ نفس المرجع، ص ۱۸۰
۱۷۔ نفس المرجع، ص۱۱۸
۱۸۔ نفس المرجع، ص۱۲۵
۱۹۔ نفس المرجع، ص۱۸۵
۲۰۔ نفس المرجع، ص۱۷۵
۲۱۔ نفس المرجع، ص۴۶
۲۲۔ غلام احمد پرویز، مفہوم القرآن، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، ص ۱
۲۳۔ سلیم کے نام بارہواں خط، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، ص ۱۹۴
۲۴۔ قرآنی نظام ربوبیت، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی گلبرگ، لاہور، ص ۱۱۶
۲۵۔ نفس المرجع، ص ۱۰۲
۲۶۔ نفس المرجع، ص ۲
۲۷۔ محمد قاسم نوری، قرآن کیا کہتا ہے؟ حزب المسلمین، ۱۲۹، ڈی ماڈل ٹاؤن لاہور، ص ۱۴
۲۸۔ نفس المرجع، ص۳۱
۲۹۔ نفس المرجع ص ۱۳
۳۰۔ ڈاکٹر مفکر احمد، قرآن کی معنوی تحریف قرآن کے نام پر، القدس پبلیکیشنز ۵۵ بی چیمبر لین روڈ لاہور، ص ۹۱
۳۱۔ زمخشری، جاداللہ محمود بن عمر، امام، الکشاف۔۔ فی وجوہ التاویل، دار الکتاب العربی بیروت، لبنان ج ۱، ص ۶
۳۲۔ البیضاوی، ناصر الدین ابی الخیر، انوار التنزیل واسرار التاویل، مصطفٰی البابی الحلبی طبع، بمصر ج ۱، ص ۴
۳۳۔ العمادی، ابی السعود محمد بن محمد، قاضی، التفسیر ابی السعود، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ۱۹۹۹م ج ۱، ص ۱۷
۳۴۔ نفس المرجع، ج ۱، ص ۱۷
۳۵۔ ابن الجوزی، جمال الدین عبدالرحمٰن، زاد المسیر فی علم تفسیر،، بیروت لبنان، طبع اولیٰ، ۲۰۰۳، ص ۳۲
۳۶۔ الصابونی، محمد علی، صفوۃ التفاسیر، دار احسان تہران، ایران، س ن، ج ۱، ص ۲۸
۳۷۔ القاسمی، محمد جمال الدین، الامام، تفسیر القاسمی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ج ۱، ص ۲۲۴
۳۸۔ الشاب الدین بن یوسف الامام، الدرر المصون فی علوم الکتاب المکنون، بیروت لبنان، ۱۹۹۴ء طبع اولیٰ، ج ۱، ص ۵۶
۳۹۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، ج ۱، ص ۱۶۳
۴۰۔ القرطبیؒ، ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، طبع دار الکتب المصریہ، السعودیہ، ۱۹۸۰م، ص ۱۰۳
۴۱۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، ج ۱، ص ۱۵۸
۴۲۔ تفسیر ابی السعود، ج ۱، ص ۱۸
۴۳۔ حمید نسیم، تعارف القرآن، فضلی سنز لمیٹڈ اردو بازار، کراچی، ص ۱۷
۴۴۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، ج ۱، ص ۱۵۸
۴۵۔ عبدالعزیز بن عبدالسلام، تفسیر القرآن، دار ابن حزم، ص ۹
۴۶۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، ج ۱، ص 67

۴۷۔ نفس المرجع، ج۱، ص۱۵۷

۴۸۔ ابو اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، بیروت لبنان، ۲۰۰۴ء، ص ۶۵

۴۹۔ نفس المرجع، ص ۶۵

۵۰۔ الموسوی، ابوالقاسم، السید، البیان فی تفسیر القرآن، دار الزہراء بیروت لبنان، ۱۹۸۱ء، ص ۴۲۵

۵۱۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، ج۱، ص ۱۶۲

۵۲۔ السمرقندی، نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم، تفسیر السمرقندی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۹۳م، طبع اول، ج۱، ص ۷۶

۵۳۔ تفسیر البغوی، طبع دار ابن حزم بیروت لبنان، ۱۴۲۳ھ، طبع اولی، ج۱، ص ۷

۵۴۔ ابو اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم، ص ۹

۵۵۔ الاندلسی، محمد عبدالحق بن عطیۃ، المحرّر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار ابن حزم، بیروت لبنان، ۱۴۲۳ھ، ص ۳۷

۵۶۔ ابن الجوزی، جمال الدین عبدالرحمٰن، زاد المسیر فی علم تفسیر،، بیروت لبنان، طبع اولی، ص ۳۲

۵۷۔ الصابونی، محمد علی، صفوۃ التفاسیر، دار احسان تہران، ایران، س ن، ج۱، ص ۲۵

۵۸۔ الطباطبائی، محمد حسین، سید، المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱، ایڈیشن سوم، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸

۵۹۔ تفسیر نور الثقلین، س ن، ج۱، ص ۱۳

۶۰۔ علاؤالدین علیبن محمد بن ابراہیم البغدادی الصوفی المعروف بالخازن، تفسیر الخازن طبع بمصر، ج 2، ص 77، س ن

۶۱۔ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر، مسائل الرازی واجوبتہا من غرائب ای التنزیل، تحقیق و تصحیح ابراہیم عطوہ عوض، المکتبۃ العلمیہ ۱۵۔ لیک روڈ لاہور ص ۳۳

۶۲۔ حمید نسیم، تعارف القرآن، طبع دہلی، ص ۱۷

۶۳۔ الموسوی، ابوالقاسم، السید، البیان فی تفسیر القرآن، دار الزہراء بیروت لبنان، ۱۹۸۱ء، ص ۴۲۵

۶۴۔ الطباطبائی، محمد حسین، سید، المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱، ایڈیشن سوم، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸

۶۵۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، ج۱، ص ۱۶۳

۶۶۔ حمید نسیم، تعارف القرآن، ص ۱۷

۶۷۔ امام رازی، مفاتیح الغیب، ج۱، ص ۱۶۳

۶۸۔ تفسیر ابو الفتوح، ج 1، ص ۳۶، طبع بمصر، س ن

۶۹۔ اسوۃ الرسول ج ۳، ص 16، س ن

۷۰۔ طالب جوہری، احسن الحدیث، جامعۃ المنتظر ماڈل ٹاؤن لاہور، ص 447 س ن